

# افغانوں کی نسلی تاریخ

مصنف  
خالن روشن خان

روشن خان انشید کمپنی پبلشرز

جونامارکیٹ، ریلوے کراچی ۲

مجلہ حقوق بکنی مصنف محفوظ

## فہرست

۵	روضہ خان	عرض حال
۸	مہر پرورش شاہین	پیش لفظ
۱۱	مصنف	افغانوں کی نسلی تاریخ
۱۲		آریہ یا ہندوؤں کی تاریخ پر ایک نظر
۱۸		آریہ نسل کی کوئی حقیقت نہیں
۲۲		آریوں کی تاریخ کے چند اہم پہلو
۲۴		ایک اہم نکتے کا اعادہ
۲۶		آریوں اور افغانوں میں قدر فاصل
۲۹		بنی اسرائیل کا اہم امتیاز
۳۰		آریہ ورت کا حدود اربعہ
۳۲		ویدی اور مدھ دور کے ہندوستان کا نقشہ
۳۳		آریوں کے عقائد ان کی اپنی نظر میں
۳۴		قوم افغان
۳۸		افغان بنی اسرائیل ہیں
۴۲		ایک ضروری وضاحت
۴۵		تحقیق مزید
۴۵		ایک تاریخی حقیقت
۴۷		ایک یہودی سیاح
۴۹		قدیم ترین تاریخ
۴۹		۱۸۵۱ء کا ہندو بہت اور تاریخ پشاور

افغانوں کی نسلی تاریخ	تصنیف :
روضہ خان	مصنف :
روضہ خان انید کمپنی جو ناما رکیٹ	ناشر :
پھول چوک کراچی نمبر ۲	
اگست ۱۹۸۱ء	اشاعت اول :
تین ہزار	تعداد اشاعت :
اپریل ۱۹۸۲ء	اشاعت دوم :
دو ہزار	تعداد اشاعت :
ستمبر ۱۹۸۲ء	اشاعت سوم :
دو ہزار	تعداد اشاعت :
مکتبہ رشیدیہ (المخزن پرنٹرز)	طابع :
پانچ روپے	قیمت :

ملنے کا پتہ

روضہ خان انید کمپنی (تمباکو ڈیلرز)

پھول چوک جو ناما رکیٹ، کراچی ۲



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## عرض حال

اُم افغان کی بے حسی پر غور کرتے ہوئے دل خون کے آنسو روتا ہے لیکن اب کچھ عرصے سے اس میں اپنی قومی تاریخ سے دلچسپی، لکڑی تغیر اور ایک نئی زندگی کے آثار دیکھتا ہوں۔  
 تاریخ جوتی ہے۔ ۱۹۷۱ء پر اپریل ۱۹۷۱ء کا تذکرہ اور اس کے موضوع سے دلچسپی نئی قومی زندگی کے آثار لکڑی تغیر کی ایک واضح مثال ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ نواز علی خان صاحب نے "کے پشواؤنڈیشن" کے بعد دوبارہ پشواؤنڈیشن اور تذکرہ (پشواؤنڈیشن کی اصلیت اور ان کی تاریخ) کا پہلا ایڈیشن ہاتھ بچھل گیا اور دوسرے ایڈیشن کا انتظام کرنا پڑا۔

مارچ اپریل کے مذکورہ جلسہ کا موضوع بحث یہ تھا کہ افغان نسلاؤں کس خاندان کا تعلق رکھتے ہیں؟ اس سلسلے میں جو کتاب خیال میں ان پر بحث اس مقالے میں آگئی ہے۔ یہ محض اللہ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے اس حقیر کے خیالات کو اپنی علم اور افغانوں کی تاریخ کا ذوق رکھنے والوں میں پھیرائی بخشی اور انہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ یہ مقالہ شائع کیا جائے۔

میرے نزدیک تحقیق و تصنیف کے دو انداز ہیں۔ بلکہ جب بھی کسی قوم کی تاریخ پر لکھا جائے گی یہی انداز سامنے آئیں گے۔

ایک ایسے کے تاریخ کی اس طرح دیکھا جائے کہ اچھا کیا اور خوبیاں تو سب لیاں کر لی جائیں اور قومی تاریخ کے کمزور پہلوؤں اور خامیوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے۔ اظہار یہ نقطہ نظر غلط ہے۔ لیکن جب بھی ظلم غیر انصاف پسند اور تعصب کا باعث بنے، تو وہ تاریخ لکھتے وقت اس قوم کی کمزوریوں اور

۵۴	شیخ سعد اللہ سرور بنی اسرائیلی
۵۴	اخون سالاک و اخون سپاک
۵۶	اخون پیخود اخون درویشہ
۵۷	بایزید انصاری و اخون درویشہ
۵۸	عبدالواحد افغان بگرامی
۵۸	عبداللہ قصوری خولشکی
۵۸	سیاں عمر چکنی
۵۹	اخون محمد خان محمد زئی
۵۹	حافظ رحمت خان و عبدالسلام خان
۵۹	امیر عبدالرحمن خان
۵۹	مولانا غلام حیدر
۶۰	مولانا احسان الحق
۶۰	چند دیگر اہم تواریخ
۶۱	ایک اور اعتراض حق
۶۲	چند مزید حوالے
۶۳	اسرائیلی انبیاء
۶۲	تاریخ انبیاء و اکا ایک اہم نکتہ
۶۳	زبان
۶۴	جہاں آخر
۶۶	تذکرہ ایک عالم اور محقق کی نظر میں
۷۸	مولانا فضل مجہود
۷۹	محمد شفیع صاحب
۸۰	محمد علی خان مروتی
	سابق وفاقی وزیر تعلیم پاکستان



خاصیوں سے اسناد لال کرتا ہے اور قومی تاریخ کی بالکل ایک دوسری تصویر پیش کرتا ہے۔  
انہوں نے پچھانوں کی تاریخ کے ساتھ یہ ظلم بھی روا رکھا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ انداز تحقیق و تصنیف انتہا پسندانہ ہے۔ اس طرح خواہ  
کتنی ہی خوبصورت کتابیں چھاپ لی جائیں لیکن اہل علم و اصحاب عدل میں یہ انداز پسند  
نہیں کیا جاتا۔ میں اپنے قارئین پر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ میرا انداز تحقیق  
اور مقصد تصنیف نہیں ہے بلکہ محض افوں کی قومی تاریخ کی جہاں تک عظیم الشان روایات  
اور ہمارے اصناف کے بے نظیر کارناموں اور بے مثال سیرت کا تعلق ہے میں اسے  
اپنی قومی میراث سمجھتا ہوں اور اس پر فخر کرتا ہوں اور جہاں تک قومی تاریخ کی خامیوں  
کو دور یوں اور کوتاہیوں کا تعلق ہے اور جو باتیں تاریخ سے ثابت ہیں، میں ان سے  
انکار نہیں کرتا۔ میں ان سے سبق حاصل کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ قوم کے نوجوان  
بھی ان سے عبرت حاصل کریں۔

۴۔ دوسرا انداز خاص علمی و تاریخی ہے۔ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس کی تاریخ  
صرف عظیم الشان واقعات و فتوحات سے بھری ہو اور اس قوم میں کسی قسم کی اخلاقی و  
سیرت اور فکر و عقیدہ کی کوئی خامی اور کمزور پہلو نہ ہو۔ لیکن ایسی بھی شاید ہی کوئی قوم  
ہو جس کی تاریخ دنیا پسندی کی تاریخ ہو اور اس کا دامن فکر و عمل ہمیشہ اور ہر طرح کی  
خوبیوں سے خالی رہا ہو۔ واقعہ یہ ہے اور تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ہر قوم کی تاریخ  
مختلف نشیب و فراز سے گزرتی ہے۔ اچھے اور بُرے دن سب پر آتے ہیں فتوحات  
کے ساتھ شکستوں سے بھی سابقہ پڑتا ہے حالات کی اسی الٹ پھیر کی طرف قرآن  
نے نیک الایام ندا دیہا میں الناس رتجہ۔ یہ ہار جیت کے اوقات ہیں جنہیں ہم انسانوں  
میں (دھڑ دھڑ پھرتے رہتے ہیں - ۱۲، ۱۳) کے خطاب میں اشارہ کیا ہے۔ پس  
حقیقت پسند شخص وہ ہے جو کائنات کی اس سچائی کا انکار نہ کرے۔

الحمد للہ! میرا نقطہ نظر یہی ہے۔ قرآن اور اس کی بیان کردہ تمام حکمتوں پر میرا  
ایمان ہے۔ میں اس دائمی عالم گیر اور قدیم سچائی سے انکار نہیں کرتا لیکن قرآن نے

جو قدیم اقوام کے حالات بیان کیے ہیں ان کا مقصد بھی یہ بیان کیا ہے کہ موجودہ اور  
اس کے مخاطب انسان و اقوام ان واقعات سے عبرت حاصل کریں۔ وہ شخص بھی  
جو قرآن حکیم پر ایمان نہیں رکھتا، سوچے کہ اگر کسی تاریخ تذکرہ سے لوگ اپنی زندگی  
کی راہوں کو روشن نہ کر سکیں تو تصنیف و تحقیق کی مشقت کا فائدہ کیا؟ پس جہاں  
اس مقالہ کی تحریر میں میرا نقطہ نظر خاص علمی اور تاریخی ہے وہاں اپنے مطالعہ و تحقیق کے  
اس قرآنی مقصد کو ترک کر دینے کے لئے بھی تیار نہیں، اسی جذبے کے تحت میں نے اس  
مقالہ کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے کہ قومی تاریخ کے مطالعے سے قوم کے نوجوان فائدہ  
اٹھائیں۔

اس تذکرے میں جو دوسرے مقالے پیش کیے گئے تھے یہاں ان کے بارے میں کوئی  
اظہار خیال کرنا نہیں چاہتا۔ جو طریقہ سادہ و سخی کروں گا کہ بعض حضرات قیاسات سے  
کام لیتے ہیں اور اسے ذمہ صحت تاریخ کا نام دیتے ہیں بلکہ ان سے تاریخ کے غیر مشتبہ  
واقعات اور متفق علیہ قومی روایات کی تردید کا کام لیتے ہیں۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ  
بعض اوقات قیاس کو بھی دخل دینا پڑتا ہے لیکن قیاس کی بنیاد پر تاریخ اور صدیوں پر  
پہیلی ہوئی کسی قوم کی متفق علیہ روایات کی تردید نہیں کی جاسکتی۔ اگر صدیوں پرانی تاریخ  
کو قیاس کی بنیاد پر رد کیا جاسکے تو یقین رکھنا چاہیے کہ دنیا کی بہت سی قوموں کے دامن میں  
تاریخ کا کوئی سرمایہ اور کوئی غلبہ باقی نہیں رہتی۔ انسان کی ہر فکر و سعی میں غلطی اور خدائی  
کا امکان ضرور ہوتا ہے۔ اس پر اس حقیر سعی کو بھی اس سے بہتر انہیں سمجھنا چاہیے کہ خدا شاہد ہے  
کہ میں نے اس کتاب کے میں اپنے بہترین مطالعے اور تحقیق کو پورے اخلاص و تلب اور دیانت  
سے مرتب کیا ہے۔ اگر ان افکار و تحقیقات سے قوم کی ایک چھوٹی سی جماعت اور چند  
اندامی فائدہ اٹھالیں تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت کا صلہ مجھے مل گیا۔

اس کتاب کو شائع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ قوم کے نوجوانوں میں  
تاریخ کے مطالعہ کا ذوق بھی پیدا کرے اور اصلاح کرام کے دین انکار اور پاکیزہ سیرتوں سے  
انہیں اپنی زندگی کو منور کرنے کی توفیق بھی بخشنے۔

روشن خان

۳۱ جولائی ۱۹۹۱ء



## پیش لفظ

محمد پرورش شاہین ایم۔ اے (اردو) ایم اے (پشتو) ایم۔ اے (تاریخ)

ریسرچ سنٹر، منگلور سوات

مار اپریل ۱۹۹۱ء کو اکبر حیات کا کاخیل اور جناب اعجاز یوسف زئی نے بعد نماز جمعہ کیونٹی سنٹر لال، مروان میں ایک مذاکرہ کا اہتمام کیا تھا۔ اس کے مہمان خصوصی میاں سید رسول رتسا سابق ڈائریکٹر پشتو اکیڈمی پشاور پو پو رسی، پشاور تھے اور مذاکرہ کی صدارت کے فرائض سید تقویم الحق کاخیل پر سپل گورنمنٹ کالج، پشاور نے انجام دیے۔

مذاکرہ کا موضوع پٹھانوں کی نسلی تاریخ تھا اور حصہ لینے والے اہل علم و نظر میں سید بہادر شاہ ظفر کا کاخیل، قاضی عبدالعلیم اثر اور روشن خان تھے اور تینوں حضرات کو یا کہ تاریخ کے تین مکاتب فکر اور نقطہ ہائے نظر کے ترجمان تھے۔ تینوں حضرات نے زبانی اظہار خیال کے بجائے تین مقالوں میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ خوش قسمتی سے میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے اس مذاکرہ میں شرکت کی تھی اور تینوں اصحاب فکر کے مقالات سننے کا موقع ملا تھا۔

سید بہادر شاہ ظفر صاحب کا نظریہ یہ تھا کہ پٹھانوں کا تعلق آریوں کی نسل سے ہے۔ اس کے برعکس خان روشن خان کی تحقیق یہ ہے کہ پٹھان بنی اسرائیل ہیں اور تاریخ کے بے بدل واقعات اس پر شاہد عدل ہیں۔ جب کہ عبدالعلیم اثر صاحب کا موقف یہ تھا کہ پٹھان بنی اسرائیل بھی ہیں، پشتون بھی اور آریں بھی۔ کسی ایسے مسئلے میں افکار و تحقیقات پر صرف ایک مجلس میں مقالات سن کر فوراً فیصلہ کر دینا کہ کیا صحیح ہے اور کیا ناحق، ممکن نہیں ہوتا اور اگر کوئی فیصلہ کر بھی دیا جائے تو اس کی صحت محل نظر رہتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ سید بہادر شاہ ظفر نے سید تقویم الحق کا کاخیل صاحب نے اس قسم کا عاجلانہ فیصلہ کر دینے سے گریز کیا۔

یہاں ان افکار و تحقیقات پر تبصرہ کرنا مقصود نہیں لیکن اتنا کہنا ضروری ہے کہ مسلم اور غیر مسلم مورخین اور محققین کے اعتراف و تحقیق کے مطابق آریہ تو خود کسی ایک نسل سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ مسلمہ طور پر وہ ایک "کلچرل گروپ" ہیں۔ ایسی صورت میں اس نظریے کو کیوں کر تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ پٹھانوں کا نسلی تعلق آریوں سے ہے۔ رہا یہ موقف کہ پٹھان بنی اسرائیل بھی ہیں اور آریں بھی۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے، اس موقف کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ تسلیم نہ کر لیا جائے کہ پٹھان خود ایک "نسلی وحدت" کے بجائے ایک کلچرل گروپ ہیں۔ لیکن کیا پٹھانوں کی تاریخ کے مسلسل اور غیر مشتبہ واقعات سے آنکھیں بند کر کے اس موقف کو تسلیم کرنے کی کوئی حقیقت پسند جرات کر سکتا ہے؟

اس مذاکرہ میں روشن خان نے پٹھانوں کے بنی اسرائیل ہونے کے نظریے پر اپنی تحقیقات پیش کیں۔ چونکہ یہ کتابچہ خان صاحب کی اپنی تحقیقات پر مشتمل ہے۔ اس لئے اس کے بارے میں کوئی رائے دینے کے بجائے اس کا فیصلہ قارئین کے تاریخی ذوق پر چھوڑتے ہیں۔

اس موقع پر روشن خان نے یہ پیش کش کر کے سامعین کو بہت مسرور کیا کہ وہ اس کے لئے تیار ہیں کہ تینوں مقالوں کو اردو اور پشتو دونوں زبانوں میں الگ الگ دو کتابچوں میں چھاپ کر شائع کر دینے کا انتظام پشتو اکیڈمی پشاور کر دے اور فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا جائے۔ خان صاحب نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ اس انتظام کے تمام اخراجات وہ اپنی جیب خاص سے برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ حاضرین نے خان صاحب کی اس پیش کش اور اعلان کا استقبال نہایت پر جوش تالیوں سے کیا۔

اس اعلان کے ساتھ ہی روشن خان صاحب نے اپنا مقالہ اسی وقت صاحب صاحب کے حوالے کر دیا لیکن دوسرے دونوں مقالہ نگاروں نے اپنے مقالے اپنے اپنے حوالے کر لئے۔ خان صاحب کو جناب صاحب صاحب کے حوالے کر لئے۔ خان صاحب کو جناب صاحب صاحب کے حوالے کر لئے۔ خان صاحب کو جناب صاحب صاحب کے حوالے کر لئے۔



# افغانوں کی نسلی تاریخ

جناب صدر اور معزز حاضرین !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

انتہائی تحقیقی اور جستجو کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بلا شک و شبہ پختون، پشتون، روہیلہ، سلیمانی، پٹھان اور افغان سب ایک ہی قوم کے مختلف نام ہیں اور یہ آج گمشدہ اسرائیلیوں کی اولاد ہیں جنہیں اشوریوں اور بابلی والوں نے باری باری شام کے علاقوں سے مشرق کی طرف جلا وطن کیا تھا اور جن کا ذکر کتاب مقدس اور کئی دیگر مشہور تاریخی کتابوں میں اکثر آتا ہے۔ افغان یا پختون کو آپ کسی بھی نام سے یاد کریں وہ اصلاً سامی ہیں اور ان کا تعلق ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ یہی وہ قوم ہے جو پہلے شریعت موسوی پر قائم تھی اور جب دعوت عیسوی کا ظہور ہوا تو انھوں نے اسے قبول کر لیا اور جب خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ کی ہدایت دنیا میں اللہ تعالیٰ کی آخری سعادت ظاہر ہوئی اور حضورؐ نے اسلام کی دنیا کو دعوت دی تو قوم افغان آپ کی صدائے حق پر لبیک کہتے ہوئے مشرق بہر اسلام ہو گئی۔ اور دین اسلام کی تبلیغ میں کوشش و جدوجہد سے گذرتے ہوئے اُسے دنیا کے دور دراز ملکوں تک پہنچا دیا۔ کاش اس قوم کے نوجوان اس نکتہ کو سمجھ سکیں کہ یہ اس کی قومی خصوصیت اور اس کے بزرگوں کا تعامل ہے۔ یہ پختونوں کی روشن تاریخ ہے جو صدیوں سے آجیل چلی ہے اور اس کا کوئی گوشہ تاریکی میں نہیں۔ اس کی تاریخ کا ہر دور اور اس کے واقعات روز روشن کی طرح نمایاں ہیں۔

جرات مند انداز اعلان و پیش کش سے بہت محظوظ ہوئے۔ انہوں نے اسی وقت تینوں مقالہ نگاروں کے اپنی اپنی تحقیقات اور نظریات پر ان کے اہتمام یا تذبذب کو بھی محسوس کر لیا۔

روشن خان صاحب نے صاحب صدر کی اجازت سے اپنے مقالے کی کچھ فوٹو اسٹیٹ کاپیاں حاضرین میں تقسیم کر دی تھیں لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ یہ مقالہ پڑے پیمانہ پر شائع ہو اور اردو اور پشتو دونوں زبانوں کے اہل علم تاریخ کے شائقین خصوصاً پٹھانوں کی تاریخ کا ذوق رکھنے والے حضرات تک پہنچانے کا سروسامان کر دیا جائے۔ چنانچہ اس وقت بھی متعدد حضرات نے اس ضرورت کی طرف خان صاحب کی توجہ دلائی اور بعد میں پشمار خطوط میں ان سے اس مقالے کی اشاعت کے لیے اصرار کیا لیکن انہیں انتظار تھا کہ دوسرے حضرات کے مقالے بھی موصول ہو جائیں اور ان کی اشاعت پشتو اکائیڈمی کے زیر اہتمام ہو لیکن اتنی مدت گزرنے کے بعد بھی جب یہ امید بڑائی نظر نہ آئی تو انھیں اپنا یہ مقالہ شائع کر دینے کا فیصلہ کرنا پڑا لیکن اس کی اشاعت میں ان کی اپنی خواہش سے زیادہ اصحاب ذوق کا اصرار شامل ہے اب جب کہ صرف یہی مقالہ مستقل حیثیت میں شائع کیا جا رہا ہے خان صاحب نے بعض مقامات پر چند اہم اضافے بھی کر دیئے ہیں اور آخر میں بھی بعض ضروری مباحث بڑھائیئے ہیں۔

امید ہے کہ اہل علم خصوصاً پٹھانوں کی تاریخ کے مطالعے کے شوقین اس مقالے کو پسند فرمائیں گے۔ وہ حضرات بھی جو بذات خود، اپریل ۱۹۸۱ء کے مذکرہ میں اس مقالے کی سماعت کا لطف اٹھا چکے ہیں اور جنھوں نے اس مقالے کی فوٹو اسٹیٹ کاپی مطالعہ کی ہے، اس نظر ثانی راہنہ شدہ حالت میں مقالہ کو زیادہ مفید اور دلچسپ پائیں گے۔ لیکن خان صاحب کے بقول ان کی آرزوؤں کا مرکز نسلی اور قوم کے نوجوان ہیں۔ کاش وہ ان افکار کی معنویت پر غور کریں اور انھیں سمجھیں۔ (پرویش شاہین)



اگر ان ترکہ شیرازی بدست آرد دل مارا  
بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

کول اور دراوڑ کا مرکزی مقام انہیں کے سبب سے سیاہ یعنی ہند کے نام سے مشہور تھا۔ اور ہند کے قریب لاہور (لاہور) بھی ان کا صدر مقام تھا۔ اور یہاں ان کی انتظامیہ رہا کرتی تھی۔ مقصد یہ کہ ہند (رو سے ہند) اور لاہور (لاہور)۔ پشاور سے مشرق کی طرف ۵۶ میل یا ۱۴ فرسخ کے فاصلہ پر دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر واقع تھے۔ یہ دونوں شہر آریوں کی آمد سے قبل موجود تھے۔ آریوں کے یہاں پہنچتے ہی ان سے مدد بھڑھوتی۔ مختصر یہ کہ آریوں نے کول اور دراوڑ سے دریائے سندھ کے مغربی علاقہ پر جہاں ان کی بود و باش تھی، زبردستی قبضہ کر لیا اور ان کو پنجاب کی طرف جلا وطن کر دیا۔ آریوں نے کول اور دراوڑ کے شہر "ہند" اور لاہور کو بھی مرکزی مقام بنا لیا۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک عام بڑا شہر آریانا کے نام سے آباد کیا۔ جو اس موجودہ وقت میں آریان کہلاتا ہے۔ "ہند" نام شہر میں بادشاہ اور اس کے ارکان دولت کی رہائش گاہیں اور خصوصی مکانات تھے اور تحقیق علم کا مرکز بھی یہیں تھا اور یہ شہر قلعہ بند تھا۔ آریہ لوگ پہلے ماد، مادی، میدی اور میڈی کے ناموں سے پکارے جاتے تھے، جب یہ خراسان اور اس کے متعلقہ علاقوں میں آکر بس گئے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ جلاوطن اسرائیلیوں نے ان کو آریہ نام دیا ہوگا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ یہ لوگ آگ کے پجاری تھے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے ان کو آریں کے نام سے یاد کیا ہوگا۔ آریں کا مطلب آگ والے یا آگ کے پجاری ہے۔ آریں پشتو لفظ ہے۔ پشتو میں آریہ یعنی آگ اور لفظ "ن" نسبت کے لئے آتا ہے جیسا کہ پین۔ ماگین۔ خاورین وغیرہ۔ معلوم ہے کہ اُن نام کا شہر حضرت ابراہیمؑ کا مسکن تھا، اس شہر میں آگ کی پُستش کی جاتی تھی۔ اور اس شہر میں ہمیشہ

آریہ یا ہندوؤں کی قدیم تاریخ پر ایک نظر

ڈاکٹر گستاوی بان لکھتے ہیں کہ:-

"لفظ ہندو قومیت کے لحاظ سے کچھ معنی نہیں رکھتا۔"

اور پھر وہ "ہندوؤں میں تاریخ کی کمی" کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ:-

"یہی تحقیق کی کمی ہے جس کی وجہ سے اُن ہزار ہا جلدوں میں جو ہندوؤں نے تین ہزار سال کے تمدن میں تصنیف کی ہیں، ایک تاریخی واقعہ بھی صحت کے ساتھ درج نہیں ہے۔ اس زمانہ کے کسی واقعہ کو معین کرنے کے لئے ہمیں بالکل بیرونی چیزوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ ان کی تاریخی کتابوں میں ان کی عجیب خاصیت ہر چیز کو غلط اور غیر فطری صورت میں دیکھنے کی نہایت مبہین طور پر پائی جاتی ہے اور انسان کو اس خیال پر مجبور کرتی ہے کہ ان کا دماغ ہی شیر تھا ہے۔" (تمدن ہند)

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آریاؤں کا تیسرا جھٹا مشرق کی طرف چلا یہ لوگ راستہ کی تکلیفیں برداشت کر کے اپنے عیال و اطفال کے ہمراہ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر پہنچے۔ عرصہ دراز تک دریائے سندھ پر رکے رہے۔ یہاں اس علاقے میں اس وقت کالی نسل کے لوگ یعنی کول اور دراوڑ آباد تھے۔ ایرانیوں نے چار ہزار سال قبل ان کا نام ہند رکھا تھا۔ "ہند" ایرانیوں کے ہاں بمعنی سیاہ کالا تھا۔ جیسا کہ حافظ شمس الدین شیرازی کا ایک شعر ہے۔



آری یعنی آگ جلنے کے سبب سے یہ آگ کے نام سے مشہور ہوا تھا۔ الغرض آری یعنی آگ کے پجاری جو ایک مذہبی نام معلوم ہوتا ہے۔ یعنی جو لوگ اس عقیدے کے قائل تھے۔ وہ آری یا آریا پکارتے گئے اور جب یہ آریہ لوگ ہند (روس ہند) پہنچے اور یہاں سکونت اختیار کی۔ اور اس کے علاوہ حکومت بھی بنائی۔ تو اسی "ہند" کی وجہ سے ہندو مشہور ہوئے۔ لفظ "ہند" نسبت کے لئے ہے۔ یعنی ہندو اے یا ہند کے باشندے۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ہندو نام نہ نسب کی وجہ سے ہے اور نہ مذہب کی وجہ سے ہے۔ بلکہ یہ ان کے مکان "ہند" کی نسبت کے اظہار کے لئے آیا ہے ہند میں طویل مدت تک قیام کی وجہ سے ان کا نام ہندو مشہور ہو گیا یہاں انہوں نے کافی عرصہ بعد ہندی زبان بنائی۔ ہندی میں لفظ "ہند" کا ہے ہند کو یعنی "ہند" کی زبان۔ اگرچہ شروع میں یہ اقوام ایک ہی زبان بولتی تھیں۔ جس کا نام ایک تھا۔ اور پھر انہوں نے سنسکرت کی بنیاد رکھی۔ ابتدائی "وید" نامی کتاب بھی یہی بنائی گئی تھی۔ وہ بھی "وے ہند" کا مخفف معلوم ہوتا ہے۔ یہاں انہوں نے اور بھی کئی کتابیں تصنیف کیں۔ ان تصانیف میں پختون قوم کے علماء سے بہت مدد لی گئی۔ ان علماء میں پنی (پنہری) اور جلو کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسی لاہور کے مغربی حصہ میں پنی (پنہری) کی جائے رہائش کے آثار اسی کے نام سے آج تک موجود ہیں۔ اور اسی طرح ہند میں بھی جلو کے نام سے جلو دھ موسوم ہے۔ ہندوؤں کی ریاست جب "ہند" میں مضبوط ہوئی۔ اور جتنے علاقے اس کے زیر اثر آئے۔ ان کا نام ہندوستان ہوا۔ یعنی ہند کی ریاست کا زیر اثر علاقہ۔ اس علاقے میں عرصہ دراز گزرنے کے بعد دریائے سندھ کو عبور کر کے پنجاب میں داخل ہوئے۔ دریائے سندھ کا پشتو نام اوسین ہے۔ جو عبرانی نام دریائے آبان کے مترادف ہے۔

پنجاب میں انہیں یہاں کے اصلی باشندوں سے سخت مقابلہ کرنا پڑا لیکن آریہ یہاں کے اصلی باشندوں کی نسبت زیادہ مضبوط اور فن جنگ میں ماہر تھے۔ آخر ذریعہ مخالفت پر غالب آ گئے۔ اور رفتہ رفتہ تمام موجودہ شمالی ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ بعد میں اسی علاقے کا نام بارت یا بھارت مشہور ہوا۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ بارت یا بھارت "عبرت" سے ماخوذ ہے۔ "عبرت" آری زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں۔ جہے عبور۔ مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ جب ان لوگوں نے دریائے سندھ عبور کیا۔ تو بارتی کہلائے اور اس پار علاقے کا نام بارت ہوا۔ یہ نام بھی اسرائیلیوں کا رکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہاں ہندوؤں سے پہلے جو قوم رہتی تھی۔ وہ سیاہ یعنی کالے تھے۔ اور اسی سبب ان کے مرکز ہی ممکن کہ ہند کہا جاتا تھا۔ مگر آریہ سرخ سفید رنگ کے تھے۔ لیکن ان کالے لوگوں کے وارث بننے کے سبب سے یہ بھی ہندو مشہور ہوئے۔ آریہ یعنی مادی یا میدی لوگ اسرائیلی جلاوطنوں سے کافی عرصہ پہلے سارے ملک خراسان اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں آباد تھے۔ اور نینوا کے آشوریوں کے ماتحت ایک کمزور زندگی گزارتے تھے۔ پہاڑوں سے اترے ہوئے وحشی اور جاہل قسم کے لوگ تھے۔ تعلیم و تمدن سے بے بہرہ تھے۔ ان میں نہ کوئی سیاسی شعور تھا۔ اور نہ ان کی کوئی تنظیم یا حکومت تھی۔ یہ تو ان کی خوش قسمتی سمجھئے کہ اسرائیلی جلاوطنوں کے جتنے در جتنے یکے بعد دیگرے ان کے پاس ہانے کے لئے آشوری بادشاہوں نے شام اور نینوا سے بھیج دیئے۔ واضح ہو کہ اسرائیلیہ کا پہلا جتہ شاہ آشوری پال یا پلوی کے ہاتھوں جلا وطن ہوا تھا۔ یہ واقعہ سات سو اکہتر (۱۸۰۰) برس قبل مسیح پیش آیا تھا۔ ان جلاوطنوں میں روبن اور جد کے دو قبیلے تھے۔ جبکہ اولاد اس وقت تک افغانستان میں آباد ہے اور جدانی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔



ان دنوں اسرائیلیہ کا بادشاہ ناحم تھا اور یہود کا بادشاہ عزریا تھا۔ اس کے بعد بھی اپنی اسرائیل کی جلا وطنی کا یہ سلسلہ جاری رہا تھا۔ جو اس واقعہ سے ایک سو اٹھ سال کے بعد بخت نصر کے ہاتھوں بیت المقدس کی تباہی سپہ ختم ہوا۔ اور ان اسرائیلی جلا وطنوں کی بدولت ۱۰۰ قبل مسیح کے بعد سے آریہ لوگوں میں لکھنے کا رواج بھی شروع ہوا۔ الغرض ان کے آنے سے میدیوں یعنی ان آریہ لوگوں کو بہت فائدہ حاصل ہونے لگا۔ کیونکہ اس وقت آریوں کی حالت خراب تھی۔ اس بارے میں فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاڈ لیوان کا بیان اس کی اپنی تصنیف ”تمدن ہند“ میں یوں درج ہے کہ ان میں مطلق کسی قسم کے سیاسی نظامات یا ذات یا حکومت نہ تھی۔ ان کی معاشرت کی بنیاد خاندان پر تھی۔ اور ساری قوم ایک تھی۔ اور اس میں بالکل مدارج نہ تھے۔ ہر ایک خاندان کا باپ خود ہی پر دہت، کاشتکار اور سپاہی تھا۔ یہ مختلف پیشے جو آگے چل کر ذات کی تقسیم کے باعث ہوئے۔ اس وقت ملے جئے ہوئے تھے۔ رگ وید کے بڑے دیوتا اگنی آگ کا دیوتا ہے۔ ”سوم“ مٹشی عرق ہے۔ جو اس کو تند کرتا ہے۔

اور اس کے برعکس اسرائیل جلا وطن تعلیم یافتہ ہنرمند حکماء نجومی طبیب اور ماہر نفسیات تھے۔ تمدن و معاشرت میں بہت آگے تھے۔ غرض یہ کہ جیسا کہ قرآن سے ظاہر ہے کہ ہر کام میں اسرائیلی جلا وطن ان کے استاد بنے۔ اور نیران مقامی لوگوں کو زندگی گزارنے کے اچھے طریقے سکھائے اور نظم و ضبط سے بھی واقف کرایا۔ اسرائیلیوں نے جہاں اپنے ملک شام کی طرح کوئی سپہیز یعنی دریا نہ تھا۔ گاؤں ندی نہ تھی اور علاقہ دیکھا تو اس کا وہی شامی نام رکھا۔ سیاست میں بھی ان جلا وطنوں کو بڑا دخل تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ میدیوں اور پھر خورس کی سلطنت بننے میں انہی کا ہاتھ تھا۔ آشوریوں اور پھر بابلیوں سے انتقام لینے کے جذبات بھی رکھتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں

ان کو ایک گونہ کامیابی بھی حاصل ہوئی تھی جیسا کہ قصص القرآن جلد سوم ص ۱۱۱ میں درج ہے۔

”بابلی سرداروں کا ایک وفد خورس کے پاس اس وقت پہنچا۔ جبکہ وہ اپنی مشرقی جہم میں مصروف تھا۔ خورس نے ان کا خیر مقدم کیا۔ اور ان کو اطمینان دلایا۔ کہ وہ اپنی جہم سے فارغ ہو کر ضرور بابل پر حملہ کرے گا۔ اور ان کو بابل کے ظالم اور عیاش بادشاہ سے نجات دلانے گا۔ خورس جب اپنی جہم سے فارغ ہو گیا۔ تو حسب وعدہ اس نے بابل پر حملہ کر دیا۔“

اسرائیلی تو اپنے آپ ہنرمند مولا تھے۔ میدی یعنی آریہ لوگ ہمیشہ ان کے محتاج رہتے۔ اس کے علاوہ بنیامنی خاندان کے عہد سلطنت میں جو دو سو پچیس سال سے مستحکم اور مضبوطی سے قائم تھا۔ اسرائیلی حاکم قوم کی شکل میں تھے۔ اس وجہ سے ان کی ہزیمت میں وزن تھا۔ اور جو نام رکھتے اسے قبول عام ہوتا اور جو وہ لیتے رواج پاتا ان کی ہی زبان سے آریہ لوگوں نے بہت الفاظ سیکھے۔ اور ہر کام میں ان سے امداد لی۔ اور سبق حاصل کئے۔ اسرائیلی قوم اور ان کے انبیاء اس علاقے میں دینی تبلیغ اور رہنمائی کرتے۔ علم و فضل کے مالک تھے۔ کسی صورت یہ تھی کہ اپنے ملک سے جلا وطن تھے۔ اور منتشر حالت میں آباد تھے۔ پھر بھی ان کی فضیلت اپنی جگہ قائم تھی۔ اور انھیں علمی اخلاقی برتری حاصل تھی۔ مثال کے طور پر اگر کوئی وکیل۔ قاضی۔ عالم۔ حکیم ماہر فن یا کوئی ہنرمند شخص بادشاہ وقت کے قانون کی خلاف ورزی کے سبب جیل خانہ میں چلا جاوے تو ان کا علم و ہنر جیل کے دروازے ہی پر نہیں رہ جاتا۔ بلکہ وہ علم و ہنر وغیرہ اس کے ساتھ جیل کے اندر ضرور لے جاتا۔ لہذا اسرائیلی خدا سے نافرمانی کے جرم میں تباہ و برباد ہوئے۔ اور غلامی کے سزاوار بن گئے۔ لیکن ان کی سمجھداری اور علم و ہنر اس حالت میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس کے متعلق



ایک دنیا دھوکے میں پڑ گئی۔ نسل کا لفظ اب اس قدر رائج ہو گیا ہے،  
ہے کہ غلط فہمی کے اندیشوں کے باوجود اسے ترک کرنا مشکل ہے  
(صفحہ ۱۹)

”آریوں کے مذہب میں آگ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور آریوں  
میں مورتوں (بتوں) کی پوجا کا رواج نہ تھا“ (صفحہ ۵۳)  
سنسکرت زبان کے متعلق ایک مختصر اشارہ تو اوپر کے اقتباس میں آچکا ہے۔  
اس سلسلے میں وہ مزید لکھتے ہیں

”سنسکرت ابجد کے دندانی حروف ٹ وغیرہ اور کسی ہندوستانی  
زبان میں نہیں ملتے۔ سنسکرت کے بہت سے الفاظ کا مادہ آریائی  
نہیں معلوم ہوتا۔“ (صفحہ ۵۳)

آگے چل کر آریہ نسل ان کے وطن اور ان کی زبان کے بارے میں مزید حقائق  
کو روشنی میں لاتے ہیں اور فرماتے ہیں:-

”آریہ دراصل کسی نسل کا نام نہیں ہے۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ ہم اس  
لفظ کو بالکل چھوڑ دیتے۔ اور ان لوگوں کے لئے جو اپنے آپ کو  
ہندوستان میں آکر ”آریہ“ کہنے لگے۔ کوئی اور نام تجویز کر لیتے  
مگر یہ اصطلاح اس قدر رائج ہو گئی ہے کہ اسے ترک نہیں کیا جا  
سکتا اس لئے اسی سے کام لکنا پڑتا ہے۔ غلط فہمی سے بچنے کی  
یہ صورت ہے کہ ہم یاد رکھیں کہ آریہ سب گودے اور قد آور نہیں  
تھے۔ سب کی ناک اونچی، بال منہرے اور آنکھیں نیلی نہیں تھیں  
انہیں آریہ صرف اس بنا پر کہتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو آریہ کہتے تھے  
آریوں کے اصل وطن کا پتہ چلانا مشکل ہے اب اکثر محقق اس پر متفق  
ہیں کہ آریہ نسل کا گہوارہ دریائے وینیوب کی وادی تھی۔ یہاں سے  
اس کے قبیلے ادھر ادھر جاتے رہے۔ وہ قبیلے جو ہندوستان پہنچے

قرآن کریم کا ارشاد ہے وَلَقَدْ اخْتَرْنَا هُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلٰی الْغَلِبِیْنَ ط۔ (سورہ دخان)  
”اور بلاشبہ ہم نے اپنے علم سے ان کو جہان والوں کے مقابلہ میں پسند کر لیا ہے“  
معلوم رہے۔ کہ ہند کا نام آج کل پشتو زبان میں اندہ اور ہند زیادہ استعمال ہوتا  
ہے اور انگریزی میں بھی اندہ لولا جاتا ہے۔ اس وقت سارے ہندوستان کو  
اندہ یا اور اس کے باشندوں کو اندہین کہتے ہیں۔ مگر گذشتہ دور میں یہ نام محدود تھا

### آریہ نسل کی کوئی حقیقت نہیں

اس سلسلے میں ایک نامور مورخ محمد مجیب مرحوم (۱) نے اسے آکسن پروفیسر  
تاریخ و سیاست جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے اپنی تالیف ”تاریخ مہد ہند“  
(مطبوعہ ۱۹۵۸ء عثمانیہ یونیورسٹی پریس حیدرآباد دکن) میں تفصیل کے  
ساتھ آریوں کی نسل، زبان، مذہب اور ہندوستان میں ان کے آنے کی تاریخ اور  
آریہ نام کی بحث کی ہے اور تاریخ کی نہایت مفید معلومات پیش کی ہیں۔ میں اپنے  
دعویٰ کے ثبوت میں ان کی تحقیقات سے چند ضروری اقتباسات پیش کرنا چاہتا  
ہوں آریوں کی نسل کے متعلق محمد مجیب مرحوم لکھتے ہیں:-

”یورپ میں سنسکرت کا مطالعہ شروع ہوا اور اس کا پتہ چلا کہ  
سنسکرت، ایرانی، لاطینی، یونانی اور جرمن زبانیں ایک اصل  
سے ہیں۔ تو ہندوستانی یا ہند یورپی زبان اور تہذیب اور اس  
تہذیب کو پھیلانے والی آریہ نسل کا تصور قائم ہوا۔ اصل میں  
یہ تصور بے بنیاد تھا۔ آریہ نسل کی کوئی حقیقت نہیں۔ وہ جسمانی  
خصوصیات جو آریہ نسل کی پہچان مانی جاتی ہیں، ان قوموں میں جو  
اپنے آپ کو آریہ کہتی ہیں اس کثرت سے نہیں پائی جاتی ہیں کہ  
ان کے آریہ ہونے کا دعویٰ تسلیم کر لیا جائے لیکن قومیت کے  
پرستاروں نے اس عقیدت کے ساتھ آریہ نسل کے گن گائے کہ



درہ دانیال سے گذر کر ایشیائے کوچک اور شمالی ایران ہوتے ہوئے آئے۔ ۱۲۰۱ ق م کے لگ بھگ شمال ہندوستان میں آباد ہونے لگے تھے۔ زرتشتی مذہب کی مقدس کتاب ژنداوشتا اور رگ وید کی زبان میں اتنا کم فرق ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ آریہ کے ہندوستان آنے اور رگ وید کے مرتب ہونے کے درمیان بہت لمبا عرصہ نہ گذرا ہوگا۔ (صفحہ ۵۵)

آریوں کی رسموں اور ان کے رسم الخط کے بارے میں مجیب صاحب لکھتے ہیں:-  
 ”سات سو ق م کے بعد سے ان میں لکھنے کا وارز بھی آہستہ آہستہ شروع ہوا۔ انوک کے کتبات یا تو کھروشتی (خروشتی) رسم خط میں ہیں جو مشرقی افغانستان اور پنجاب میں رائج تھا۔ بارہوی رسم خط میں ہیں۔ کھروشتی (خروشتی) ایک قدیم آریہ رسم خط سے اخذ کیا گیا ہے جو پانچ سو ق م میں رائج تھا۔ یہ دائیں سے بائیں طرف لکھا جاتا تھا۔ آریوں نے اس رسم خط کی علامتوں کو اپنی زبان کی اصوات اور حروف میں تبدیل کر لیا۔ براہی ابجد کے چھیالیس حروف کی شکلیں معین کی گئیں اور اسے دائیں سے بائیں طرف کے بجائے بائیں سے دائیں طرف لکھنے کا قاعدہ بنا، غالباً پانچ سو ق م تک براہی ابجد مکمل ہو گئی تھی۔ پانی فی (پنی) نے جس کا زمانہ چوتھی صدی ق م تھا اس کو صحیح مانا ہے۔ اس زمانے میں یا اس کے کچھ بعد براہی رسم خط کی دو شاخیں ہو گئیں۔ ایک شمالی دوسری جنوبی۔ پانی فی (پنی) کے قواعد نے رسم خط کے ساتھ زبان کو بھی ایک معیاری شکل دیدی۔ اور جو کام کئی سو برس سے آہستہ آہستہ جوڑ رہا تھا اس کی تکمیل کر دی یہی ہے ویدی زبان کا سلسلہ ختم اور سنسکرت کا شروع ہوتا ہے۔ بول چال کی زبانیں اس کے بعد بھی رہیں۔ اور ان کو کچھ نہ کچھ ترقی بھی

ہوتی رہی۔ لیکن پڑھے لکھے شائستہ لوگوں کی زبان سنسکرت تھی۔ (صفحہ ۵۷)

رگ وید اور سام وید کی تالیف و تدوین کے بارے میں انہوں نے ان حقائق پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۔ آریوں نے شمال مغربی ہندوستان (یعنی ہند) میں آباد ہونے کے بعد تمام بھین کیجا کر لئے، اور اس مجموعے کا نام رگ وید رکھا۔ رگ وید ہند جرمانی تہذیب کی سب سے پرانی یادگار ہے۔ اور اس کی اولیٰ خبریوں کو دیکھیے تو ایک کرشمہ سے کم نہیں۔ رگ وید کے بھین اس وقت گائے جاتے جب پوجا کے لئے آگ جلائی جاتی یا سوم کے پودے کا رس نکالا جاتا۔ اس سے شراب بنتی تھی جس کا پینا عبادت میں داخل تھا۔ اور اسے آریہ پسند بھی کرتے تھے۔ رگ وید مرتب ہو گیا تو اس کے وہ بھین جن میں سوم کو مخاطب کیا گیا تھا آگ آگ کر کے ایک نیا مجموعہ تیار کیا گیا جو سام وید کہلاتا ہے۔ (صفحہ ۵۸)

شنا دی کی رسوم و طریق کے بارے میں لکھتے ہیں:-  
 ۱۔ آریوں کی خاندانی رسمیں مثلاً گھر کے ایک مرکزی مقام پر ہر وقت آگ جلتی رکھنا اور دولہا دلہن کا اس آگ کے گرد چکر لگانا۔ (صفحہ ۵۹)  
 ۲۔ عورتیں بس گھر میں پوجا کی آگ جلتی رکھتیں۔ اور چڑھاوے اور نذر کے لئے ضروری سامان چھپا کرتیں۔ (صفحہ ۶۱)  
 ۳۔ دولہا کے ساتھ برات ضرور آتی۔ دلہن کا ہاتھ دولہا کے ہاتھ میں دیا جاتا۔ دونوں پوجا کی آگ کے گرد طواف کرتے۔ (صفحہ ۶۲)  
 آریوں یا ہندوؤں کے تہذیبی اور سماجی نظام کے بارے میں مجیب صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ بہت اہم اور توجہ طلب ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔



۱۔ ہندو مذہب عقائد کا مجموعہ نہیں بلکہ زندگی کا ایک نظام ہے۔  
اور جو شخص اس نظام کو قبول کرے وہ عقائد میں آزادی کے ساتھ  
انتخاب کر سکتا ہے (صفحہ ۱۲۴)

۲۔ اس نئے دور میں مذہبی اتحاد پسندی نے ہر فرقے اور نسل کو جس  
نئے ہندو نظام زندگی کو قبول کیا سماج اور مذہب میں داخل کر  
لیا۔ (صفحہ ۱۲۴)

یہ فکر انگیز اور بصیرت افروز تحقیقات پروفیسر محمد مجیب بی۔ اے آکسن ریمپروفیسر  
تاریخ و سیاست جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی تھیں۔ یہی بات پروفیسر مکس میولر  
نے بھی ہے۔ اس کے نزدیک "یہ آسیا یا جیسا کہ ہم اس وقت انہیں آریں پکارتے ہیں  
ایک کلچرل گروپ تھا" (احمد جاگلا بحوالہ پروفیسر)

### آریوں کی تاریخ کے چند اہم پہلو

آریہ ہندوستان میں کب اور کہاں سے آئے؟ ان میں سے ایک بات پر بھی مورخین  
کا اتفاق نہیں۔ مشہور ہندو مؤرخ تارا چند پرنسپل کا کہنا ہے کہ آریہ شاہ یونیورسٹی کالج  
الہ آباد (ہند) کہتے ہیں۔

۱۔ ہندوستان میں آریہ قبائل کی آباد کاری اور آریہ ثقافت کے پھیلاؤ  
اور غیر آریوں کے خلاف ان کی جنگوں کی تفصیلات لکھی ہوئی تاریخ کا  
حصہ نہیں۔ اس لئے انھیں ہندوستان کی تاریخ کے دیدی دور  
سے ملنا ناممکن نہیں البتہ محققین نے دیدی دور کے ادب اور پٹلوں  
سے بعض واقعات اخذ کر کے سلسلہ تاریخ کی کڑیاں ملانے اور ایک  
مربوط تاریخ بنانے کی کوشش کی ہے۔

۱۔ اے شارٹ ہسٹری آف ہندوستان (پرنسپل) مطبوعہ کیمبرج انڈیا ۱۹۰۷ء

۱۔ ظاہر ہے کہ ایسی کوئی کوشش قابل اعتماد اور مستند تاریخ کو ہم نہیں دے  
سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اصل وطن اور تاریخ اخراج وطن پر محققین کا اتفاق نہیں  
ہو سکا۔ جب صورت حال یہ ہو تو کیوں کر پتہ چلا یا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے اصل  
وطن سے نکلے کیوں تھے؟ مناسب ہوگا کہ آریوں کی تاریخ کے ان اہم پہلوؤں پر  
ایک نظر ڈالی جائے۔

۱۔ ہندوستان میں آریوں کی آمد کی تاریخ کے باب میں مورخین کی آرا میں نہ  
صرف دھائیوں کا بلکہ صدیوں کا فرق ہے۔ تارا چند نے ہندوستان میں ان  
کی آمد کا زمانہ دو ہزار برس سے لے کر ڈھائی ہزار برس قبل مسیح بتایا ہے۔  
۲۔ آریوں کے اصل وطن کے بارے میں مورخین اور محققین کے دعویٰ تاریخی  
نے اپنی مختصر تاریخ ہند میں نقل کر دیے ہیں۔ ان پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ ان  
کے بیان کی دفعہ وار ترتیب یہ بنتی ہے۔

(الف) بعض کا بیان ہے کہ وہ دریائے سندھ کی وادی میں رہتے تھے۔  
(ب) بعض مورخین کے خیال میں وہ ہنگری اور یونینیا کے میدانوں سے  
آئے تھے جو ان کا اصل وطن تھا۔

(ج) بعض کے خیال کے مطابق ان کا اصل وطن قطبی (شمال) علاقہ تھا۔  
(د) بعض کی رائے ہے کہ وہ وسطی ایشیا کے باشندے تھے جہاں سے ترک سکوت  
کر کے وہ ہندوستان میں وارد ہوئے۔

(۴) کچھ مورخین کا تو یہ دعویٰ ہے کہ آریہ ہندوستان میں کہیں باہر سے نہیں آئے  
بلکہ وہ شروع ہی سے ہندوستان کے باشندے تھے۔

تارا چند نے صرف اس بات پر مورخین کا اتفاق بیان کیا ہے کہ آریہ ازل (پہلی)  
سے بحر اسود تک اور شمالی قطبی علاقوں تک پھیلے ہوئے گھاس کے وسیع میدانوں میں آباد  
تھے جو ذراعت کے لئے نہایت مناسب ہیں۔

۱۔ اے شارٹ ہسٹری آف ہندوستان (پرنسپل) مطبوعہ کیمبرج انڈیا ۱۹۰۷ء



Gomal rivers. They did not come as an invading army consisting of warriors only, but as settlers with their families, herds of cattle and carts laden with their goods. They were divided into a number of tribes and classes, and they occupied the lands of the north-west. In some cases the Dravido-Kolarian inhabitants adopted the Aryan language, religion and culture, accepted their *Rishis* as priests, and became their allies; in others they were dispossessed of their power and made subjects of the Aryans, and in still others the higher classes were driven out and forced to migrate, and the Aryans became masters of their territories.

**History of Settlements.**—The history of the settlement of various Aryan tribes who came to India from time to time and spread the Aryan culture, and of the wars which the Aryans waged against the non-Aryans and among themselves has not been recorded, and it is impossible to give a connected account of the events of the Vedic Age. Scholars have, however, tried to collect facts scattered in the Vedic literature and *Puranas*, and attempted to build up some sort of a connected narrative out of the legends and traditions.

۱۔ اریوں کی زبان کے بارے میں تارا چند کا بیان یہ ہے کہ

”ان کی زبان جس کا رشتہ قدیم یورپین زبانوں میں سے یونانی اور  
لاطینی زبانوں سے تھا... انڈو یورپین یا ہند یورپی زبان کہلاتی تھی“

زبان کے متعلق تارا چند کا مکمل بیان یہ ہے

They spoke a language which is connected with the ancient European languages like Greek and Latin, modern European languages like English, German, French and Russian, Eastern languages like Persian and the Indian Vedic Sanskrit and its branches, the modern languages of Northern India like Hindi, Urdu, Punjabi, Bengali, Gujarati and Marathi. To the parent language the name Indo-European or Indo-Germanic has been applied.

۲۔ ایضاً اسی طرح

اریوں کی تاریخ کے چند اہم پہلو کے ذیل میں تارا چند سے حوالے سے جو کچھ عرض کیا ہے ان کا اپنا بیان ہے جسے اردو کا جامہ زریا پہنا دیا گیا ہے لیکن بعض طبیعیات پر اس سے مطمئن نہ ہوں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اطمینان کے لئے تارا چند کی تاریخ کے متعلقہ صفحات کے عکس کو پیش کر دیا جائے۔ ان کی اصل عبارت اور اس کا عکس یہ ہے۔

#### (a). The Aryan Migrations.

**The Aryan People.**—Before the Aryans entered India the country was peopled by a mixture of races. Among them were the primitive Negritoes, who ranked low in society, and were compelled to do dirty and mean work. They were the descendants of the earliest inhabitants of the country. Above them were the more advanced Kols (Australoids), and the civilised Dravidians. They were distributed among many independent tribes that lived in those parts of the country which had been made habitable by the cutting and burning down of forests.

**The Home of the Aryans.**—The Aryans arrived in India from the north-west. Historians are not agreed with regard to their original dwelling place. According to some they lived in the Danube valley, according to others in the plains of Hungary and Bohemia. Some believe that the Arctic region was their original home; others Central Asia. Some scholars think that the Aryans were not invaders at all, but were the inhabitants of India from the beginning. On the whole it appears most likely that they lived originally in the steppes stretching along the northern shores of the inland seas from the Aral to the Black Sea, a temperate grass-land region fit for the habitation of a pastoral and nomadic race acquainted with agriculture.

**The Character of Migrations.**—The Aryans, who emigrated from their original home, came in successive waves to India. They crossed over the passes of the Hindukush into Afghanistan, and entered India through the valleys of the Swat, the Kabul, the Kurram and the



آریوں کی تاریخ کے یہ پہلو پٹھانوں (یعنی اسرائیل) کی تاریخ سے اتنے مختلف ہیں کہ دونوں کو ایک نسل سے قرار دینے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پٹھانوں کی تاریخ کا قدیم سے قدیم واقعہ بھی تاریخ کی روشنی میں ہے اور بعد کی تاریخ کے ساتھ مربوط و مسلسل ہے۔ پٹھانوں (یعنی اسرائیل) کی تاریخ لکھنے کے لئے مورخ کو قیاس درائے سے کام لینے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ان کے اصل و قدیم وطن اور بعد کے ادوار میں ان کے قیام و سکونت کا ایک ایک مقام تدوین نے اپنے حافظے میں محفوظ رکھا ہے اور آج بھی دنیا کے نقشے پر ان کی ٹھیک ٹھیک نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ ان کی اصل وطن سے جلا وطنی یا اخراج کے واقعات اور ان کی حیات قومی کے حوادث اور ان کا پورا پس منظر ماہ و سال کے شمار کے ساتھ تاریخ کی روشنی میں ہے اور اس میں اور آریوں کی تاریخ میں ادنیٰ مماثلت اور شبابہت نظر نہیں آتی۔ پٹھانوں کی قومی زبانی اپنے ماضی اور اصل کے لحاظ سے آریوں کی زبان کے خاندان سے تعلق نہیں رکھتی۔ ہمارا چند نے انڈو یورپین یا ہند جرمانی زبان کے اثرات جدید یورپی زبانوں سے لے کر مشرقی زبانوں میں فارسی، سنسکرت اور ہندوستان کی جدید زبانوں میں ہندی، اردو، پنجابی، بنگالی، گجراتی اور مرہٹی تک پر بتائے ہیں لیکن انھوں نے نہ قدیم زبانوں میں آری، عبرانی کا نام لیا اور نہ جدید زبانوں میں اس خاندان کی زبان پشتو سے اس کا رشتہ جوڑا اور نہ اس پر ہند جرمانی زبان کے اثرات کی نشان دہی کی۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ پشتو نہ ہند جرمانی زبان سے پیدا ہوا نہ اس سے الگ جوڑا۔

پروفیسر سید محمد سلیم نے آریائی زبانوں کے خاندان اور سامی زبانوں کے خاندان کا جس سے پشتو زبان کا رشتہ ہے، فرق باطل واضح کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "آریائی خاندان السنہ سامی خاندان السنہ سے بالکل مختلف ہے بہت سی سامی آوازیں ایسی ہیں جو آریائی زبانوں میں نہیں پائی جاتیں۔"

۱۔ اردو رسم الخط از پروفیسر سید محمد سلیم، مقتدرہ قومی زبان، کراچی، ۱۹۷۱ء صفحہ ۳۴

اور اگر دیکھا جائے کہ آریوں کے بارے میں محققین اس بات پر متفق نہیں ہیں کہ وہ ہندوستان سے آئے والی ایک غیر ہندی قوم ہیں یا ہندوستان ہی کے قدیم باشندے ہیں۔ جب کہ بنی اسرائیل (یعنی پٹھانوں) کے اپنے اصل وطن سے نکلنے یا نکلے جانے سے لے کر درود ہند تک کی مدت کے صبح و شام اور مسافت کی ایک ایک منزل گنی جاسکتی ہے۔ اس پر بھی اگر کوئی پٹھانوں کو گریبان قرار دیتا ہے تو یہ ایک صریح ظلم ہے ایک اہم نکتے کا اعادہ

جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ کوئی معمولی بات نہیں تاریخ کا بہت اہم نکتہ ہے۔ آریوں کے قومی وطن اور ہندوستان میں ان کی آمد کے صحیح زمانے اور تاریخ کے بارے میں، ان کے ہیرونی قوم یا ہندی نسل ہونے کے بارے میں آج تک تمام غیر مسلم مورخ بھی اتفاق نہیں کر سکے اور پٹھانوں کے قومی وطن، ان کی جلا وطنی کے حوادث، دنیا میں ان کے پھیلاؤ، ہندوستان میں ان کی آمد ان کے قیام و سکونت کے مقامات اور ان کی تاریخ و روایات کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں پیدا ہوا۔ ان دونوں میں کوئی ربط نہیں، الگ الگ پہنے وئے دو دریا ہیں، دونوں کے الگ الگ میدان اور جدا جدا راستے ہیں۔ دو الگ الگ تاریخیں اور روایتیں ہیں۔ دونوں کی زبان مذہب اور ثقافت جدا جدا ہے جس کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ پھر پٹھان یا افغان آری نسل سے کیونکر ہو سکتے ہیں۔

### افغانوں اور آریوں میں حد فاصل

جو کچھ عرض کیا ہے محض ظن و تخمین نہیں۔ تاریخی حقائق ہیں جو بار بار زبان قلم پر آ جاتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ آریہ نسل کے لفظی اور سامی نسل کے قبائل جنھیں ہم بیان کی سہولت کے لئے افغان یا پٹھان کے نام سے پکارتے ہیں، کا مخرج بالکل الگ الگ ہے۔ دونوں کا اشتعال اور پھیلاؤ



### بنی اسرائیل کا اہم امتیاز

اس مسئلہ بیان میں مولانا آزاد نے بنی اسرائیل کے اہم مذہبی امتیاز پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔

”عرب قبائل کا یہاں انشعاب بتدریج مغربی ایشیا اور قریبی افریقہ کے تمام دور دراز حصوں تک پھیل گیا تھا۔ فلسطین، شام، مصر، لوبیا، عراق اور سواحل خلیج فارس سب ان کے دائرہ انشعاب میں آگئے تھے۔ عاد، ثمود، عمالقہ، کہسوس، موابی، آشوری، عکاوی، سومیری، عیلامی، آرامی اور عبرانی وغیرہم مختلف مقاموں اور مختلف عہدوں کی قوموں کے نام ہیں، مگر دراصل سب ایک ہی قبائل کے سرچشمے سے نکلے ہوئے ہیں۔ یعنی عرب ہے۔“

اب جدید سامی اثرات کے مطالعے سے جو ان تمام قوموں سے تعلق رکھتی ہیں، ایک حقیقت بالکل واضح ہو گئی ہے، یعنی ان تمام قوموں میں ایک ان دیکھے خدا کی ہستی کا اعتقاد موجود تھا اور وہ ”ال۔ الہ“ یا ”اللہ“ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہی ”الہ“ ہے جس نے کہیں ”تبی“ کی صورت اختیار کی، کہیں ”الہ“ کی اور کہیں ”الابیا“ کی۔ سرحد حجاز کی وادی عقبہ اور شمال شام کے پاس بحر کے جواہر گشتہ جنگ کے بعد منکشف ہوئے، ان سے یہ حقیقت اور زیادہ آشکار ہو گئی ہے۔

ان حوالہ جات کے مطالعے سے اب یہ بات ہر لحاظ اور ہر جہت سے واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ آریہ اور افغان اپنی نسل و خون اپنے وطن اپنی زبان اپنے مذہبی اعتقادات اپنی ثقافت دکھیں تہذیب اپنے ذوق و مزاج اپنی نفسیات اور معاشرتی زندگی کے اپنے پورے نظام میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور دونوں میں بعد المشرقین پایا جاتا ہے۔

لے ترجمان القرآن (جلد اول) ساہتیہ کاویہ، نئی دہلی اشاعت ۱۹۶۴ء صفحہ ۲۴۶

انگ انگ سمیتوں میں رہا ہے خصوصاً سامی نسل (افغانوں) کے شعوب و قبائل کی جنگ و دو کے میدان اور ان کے قدیم و جدید قبائل کی نشاندہی کر دی ہے اور آخر میں جدید اثری تحقیقات کے حوالے سے بنی اسرائیل یا سامی نسل یا افغانوں کے سب سے بڑے مذہبی امتیاز اور شرف کو واضح کر دیا ہے کہ ان میں قدیم زمانے سے ایک ان دیکھے خدا کی ہستی کا اعتقاد موجود تھا۔ مولانا ابراہیم الکلام آزاد کے اپنے الفاظ یہ ہیں:-

”سامی قبائل کا اصلی سرچشمہ صحرائے عرب کے بعض شاداب علاقے تھے، جب اس چشے میں نسل انسانی کا پانی بہت بڑھ جاتا تو اطراف میں پھیلنے لگتا۔ یعنی قبائل کے جتنے عرب سے نکلی کر اطراف و جوانب کے ملکوں میں منتشر ہونے لگے اور پھر چند صدیوں کے بعد نیا رنگ روپ اور نئے نام اختیار کر لیتے۔“

شاید انسانی قبائل کا انشعاب کرہ ارضی کے دو مختلف حصوں میں بیک وقت جاری رہا اور زمانہ مابعد کی مختلف قوموں اور تمدنوں کا بنیادی میدان بنا۔ صحرائے گربلی کے سرچشمے سے وہ قبائل نکلے جو ہندی۔ یورپی (انڈو یورپی) آریاؤں کے نام سے پکارے گئے۔ صحرائے عرب سے وہ قبائل نکلے جن کا پہلا نام سامی پڑا اور پھر یہ نام بے شمار ناموں کے مجموعہ میں گم ہو گیا۔“

نہ واضح رہے کہ عرب سے لے کر صرف وہی علاقہ نہیں ہے جو آج کل سعودی عرب کہلاتا ہے بلکہ قدیم جغرافیہ والوں نے ان تمام ملکوں کو عرب کا نام دیا ہے جو آج کل تاریخ میں مختلف ناموں سے پکارے جاتے ہیں اور نقشے میں مختلف رنگوں میں دکھائے جاتے ہیں۔ خصوصاً مصر، شام، فلسطین، اردن وغیرہ کا وہ علاقہ جسے سرزمین بنی اسرائیل ہونے کا شرف حاصل ہے۔ عرب میں شامل تھی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ”مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب“ از مولانا ابراہیم الکلام آزاد۔



### آریہ ورت کا حدود اور لہجہ

ہندوستان پہنچ کر کبھی دونوں قومیں اپنی زبان، تہذیب، مذہب، معاشرت اور اپنی تمام تاریخی و ثقافتی روایات میں ایک دوسری سے بالکل الگ اور مختلف رہی ہیں بلکہ ان کی سیاسی و معاشی تنگ و دو کے میدان بھی الگ الگ رہے ہیں۔ آریہ ہندوستان میں خواہ کسی راستے سے پہنچے ہوں لیکن وہ بہت جلد شمالی مغربی علاقے سے نکل کر پنجاب اور سندھ کے مشرقی کنارے سے لے کر مشرق میں برہمن پتھر کی وادی تک اور شمال میں کوہ ہمالیہ کی ترائی سے لے کر وندھیا چل کے دامن تک وسط ہند میں پھیل گئے۔ ہندوستان میں یہی علاقہ ان کی معاشی اور سیاسی تنگ و دو کا میدان رہا اور ان کے نام کی نسبت سے "آریہ ورت" کہلایا۔ سوامی دیانند سرسوتی اپنی مشہور کتاب "ستیا رتھ پرکاش" میں آریہ ورت کا حدود اور لہجہ کے زیر عنوان منو سرتی (۲۲-۲۳) کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"مغرب میں سرسوتی یعنی دریائے اٹک جو شمال کے پہاڑوں سے نکل کر جنوب کے سمندر تک بہتا ہے، اور مشرق میں درشت دتی یعنی دریائے برہمن پتھر جو نیپال کے مشرقی پہاڑ سے نکل کر بنگال اور آسام کے مشرق اور برہما کے مغرب میں ہوتا ہوا جنوبی

لے کہا جاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں دریائے سرسوتی یا ستلج کے کنارے ایک واقع تھا شہنشاہ اکبر نے دریائے سندھ کے کنارے اسی ایک کے نام سے قلعہ تعمیر کیا۔ جیسا کہ قبل ازیں اس کے پیش رو شیر شاہ نے ہندوستان والے رہتاس کے نام سے جہلم کے مغرب میں ایک قلعہ بنایا تھا۔ لہذا یہاں ایک سے مراد دریائے ستلج یا سرسوتی دان ایک ہے، نہ کہ موجودہ دریائے سندھ والا جو ۱۵۸۱ء میں تعمیر ہوا۔ مولوی ذکاء اللہ لکھتا ہے:

"اکبر بادشاہ نے پنجاب سے ساحل سندھ کی طرف سفر کیا یہاں اس کا ارادہ

ایک قلعہ بنانے کا تھا۔ ۱۵۰۰ء خرداد ۹۸۹ھ مطابق ۱۵۸۱ء کو اس نے

ایک قلعہ کی بنیاد رکھی اور ایک بنا جس کا نام رکھا۔ راجپوتانہ کی تاریخ جلد ۱ ص ۱۳۴

سمندر (خلیج بنگال) میں جا ملتا ہے۔ کوہ ہمالیہ کے وسط سے لے کر جنوب میں وندھیا چل (اور اس سے متصل مشرقی گھاٹ اور مغربی گھاٹ کے دونوں طرف) ریشور تک جس قدر علاقہ ہے وہ تمام آریہ ورت کہلاتا ہے، کیونکہ اسے آریوں یعنی آریاب علم نے بسایا تھا۔ آریوں کا مقام رائنش ہونے کی وجہ سے یہ ملک آریہ ورت کہلاتا ہے۔ ص ۲۲۲ اور یہی مصنف اسی کتاب کے صفحہ ۵۶ پر آریہ ورت کے حدود پھر واضح کرتا ہے:

"اس قطعہ کا نام ملک آریہ ورت" اس لئے ہے کہ اس میں ابتدائے پیدائش سے آریہ لوگ سکونت رکھتے ہیں۔ اس کے حدود شمالاً ہمالیہ جنوباً وندھیا چل وغرباً ایک اور شرقاً دریائے برہمن پتھر ہیں۔ ان چاروں کے درمیان جس قدر ملک ہے اس کو آریہ ورت کہتے ہیں۔ اور جو ان میں ہمیشہ سے رہتے ہیں، ان کو بھی آریہ کہتے ہیں۔

اسی صفحہ ۵۶ کے حاشیہ میں کتاب کے مترجم جھوٹی ایم۔ اے سوامی دیانند کی ایک اور کتاب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"آریہ اڈیش رتن مالہ میں سوامی جی نے لکھا ہے کہ جہاں تک ان چاروں کا دستار ہے اور ان کے درمیان جو ملک ہے اس کا نام آریہ ورت" ہے مطلب یہ کہ ان دریائوں کے پھیلاؤ میں جو لوگ رہتے ہیں یا جو لوگ ہمالیہ اور وندھیا چل پہاڑوں میں ہمیشہ سے آباد ہیں۔ وہ بھی آریہ شمار ہوتے ہیں۔"

اس مقام پر وہی اور بدھ عہد کے ہندوستان کا ایک نقشہ پیش کیا جا رہا ہے جس کے مطابق سے "آریہ ورت" کے حدود دلچسپ کا نہ صرف اندازہ کیا جاسکتا ہے بلکہ خطیاب خلیج نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ یہاں اس نکتے کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ آریہ ورت یا قدیم ہندوستان میں شمال مغرب اور جنوب کے وہ علاقے شامل نہیں تھے جو بعد میں مسلم اکثریت کے علاقے بنے اور ۱۹۳۷ء میں ملک کو آزادی



ملنے کے بعد پہلے مغربی اور مشرقی پاکستان کے ناموں سے دنیا کے نقشے پر نمودار ہوئے اور آج پاکستان اور بنگلہ دیش کے ناموں سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔

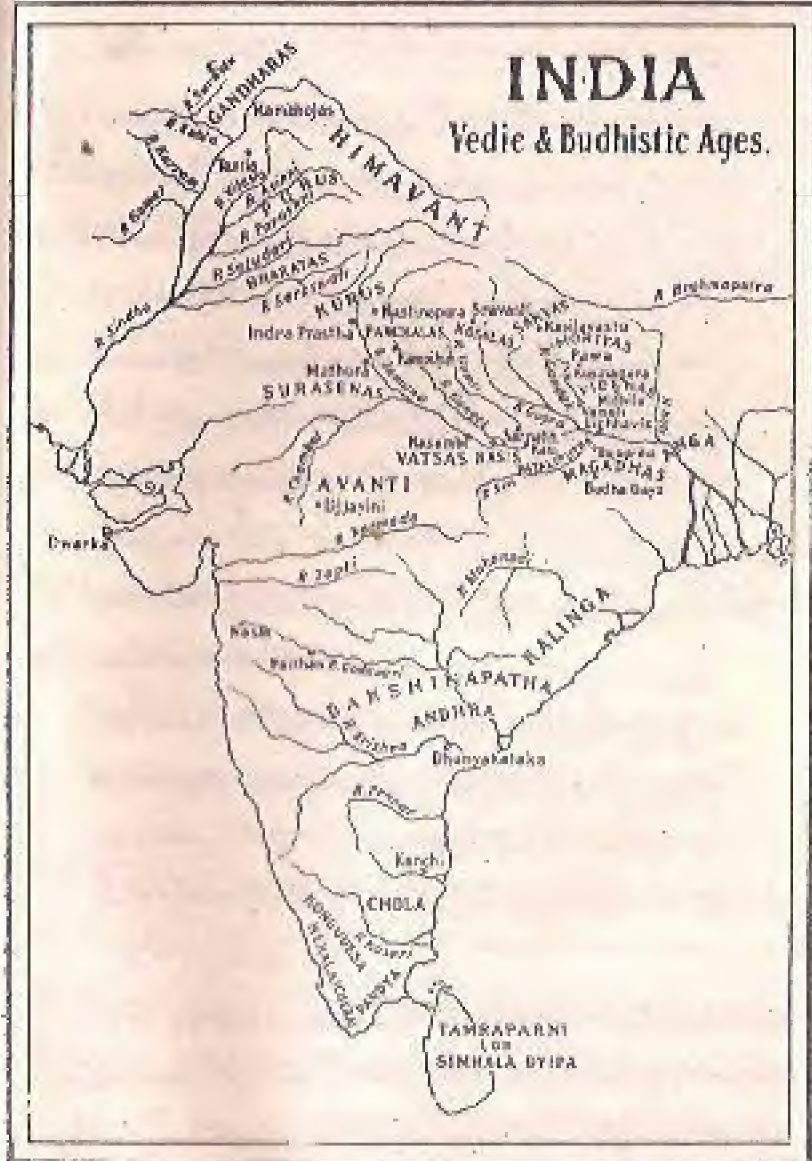
### آریوں کے عقائد ان کی ادنیٰ نظر میں

ہندوؤں کے عقائد و تعارف پر ان کی اپنی تحریر سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ زمانہ قدیم میں وہ بہت پرست نہیں بلکہ آتش پرست تھے، اور ہندوستان میں آنے کے بعد بہت پرست بنے تاہم اور مساسانی نسل کے قدم باشندوں کو وہ اپنا ہم نسل سمجھتے ہیں۔ البتہ افغان نسل کو اسرائیلی کہہ کر ایک علیحدہ قوم تصور کرتے اور انہیں اسرائیلی پٹھان اور افغان قوم کے ناموں سے پکارتے ہیں۔ نیز مغربی سے شیر شاہ تک کا زمانہ وہ افغانی دور سمجھتے ہیں۔ اس کی تصدیق میں تاریخ نامہ اور جہان جلد اول مترجم منشی دوار کا پرشاد افغانی لکھنؤ (۱۹۱۳ء) سے چند ضروری اور اہم اقتباسات کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

اس قدیم شجروں میں ہندوؤں کا نام دیوتاؤں کے نام پر موجود نہ ہونے سے یہ باور کرنا خلاف عقل نہیں کہ ہندو مذہب کے قبل مورتی پرچاکا رواج نہ تھا۔ قدیم تواریخ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شتر جنہو گروہوں

اور مورتیوں کا رواج کرشن چندر کے بعد ولایت کشمیر سے ہندوستان میں مروج ہوا۔ مورتی پرچاکا رفتہ رفتہ ایسی ترقی ہوئی کہ عوام الناس اہل چیلوں کو پوجنے لگے، دیوتاؤں کو شتر ہو گئے۔ جن کے نام بھی کسی کو معلوم نہیں، دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی ایسی باقی نہ رہی جس کی پرستش نہ کی گئی ہو۔ سورج سے لے کر چار کی مانی درانی کو بھی لوگوں نے پوجنا شروع کر دیا۔ کرشن ایک

### ویدی اور بدھ دور کے ہندوستان کا نقشہ



ویدی دور کا یہ ہندی شعر ہے اکبر بادشاہ نے راہمان سنگھ کو لکھ کر بھیجا تھا، قابل غور ہے سب بھوم ہے گوپال کا جس میں ایک کیا۔ جس کام میں ایک ہے سو میں ایک ہو گا (اقبال نامہ اکبری جلد ۵ صفحہ ۸۹۷)



مگر پریشانی سے صورتوں میں رکش جی کی مورتیں راجپوتانہ کی مختلف ریاستوں میں موجود ہیں (صفحہ : ۹۰۴)

۲۔ راب سے بارہ سو برس پہلے مڑی راجپوت راجی کے تخت حکومت پر ایک گنو خوار (ایرانی) نے قدم رکھ کر ہندوؤں کے سورج کا خطاب حاصل کیا۔ وہ کہیں باور نہ کریں گے کہ دنیا کی قدیم ترین قوم کی موجودہ نسل راجپوت بادشاہ خاندان مساسانی کے بقائے نام ہے۔ راجہ گروہا بھیل بھرم گروہا بیٹا تھا جس کے ایک بیٹے کو پٹن کی حکومت حاصل تھی۔ ہم آگے چل کر رانا کے خاندان کا ایرانی نسل سے تعلق ظاہر کریں گے (صفحہ : ۴۵۲ اور ۴۵۴)

۳۔ اودے پور کے تاجدار تمام ہند کے فرمانرواؤں سے افضل و صاحب عظمت ہیں ہندوستان کے راجے تاجپوشی کی تقریب میں رانا اودے پور جی کے ہاتھ سے ٹک کر تے اور اس رسم کے وقت ان کے سامنے سر اوب خم کرتے ہیں۔ ملک آدمی کے خون سے لگایا جاتا ہے۔ اودے پور کے فرمانرواؤں کا خطاب رانا ہے اور وہ اپنے کو نو شیرواں عادل کی اولاد سمجھتے ہیں جس نے علاوہ اور ملک کے ولایت ہندوستان میں بھی علم فتح کا ژار نو شیرواں کی زندگی میں نو شیرواں کس کا بیٹا جو شہزادی قیصر روم کے بطن سے تھا۔ عیسائی ہو گیا اور بہت سے رفقاء کو ساتھ لے کر ہندوستان میں قیام پذیر ہو گیا اس کی اولاد ہندوستان میں باقی رہ گئی۔ اودے پور کے رانا کو اس کی نسل سے تعلق ہے (صفحہ : ۴۵۹)

۴۔ چونکہ دہلی کے تاجدار شہنشاہ کو لڑکیاں دینا ہندوؤں کے ہاں

ایک بدنام دھبہ تھا۔ لہذا انہوں نے داغ بدنامی سے بچنے کے لئے یہ بات پیدا کی کہ گوسلہ حسب و نسب بہت پرانا اور رشتہ بہت دور کا ہے۔ تاہم ہمارے اور تاجدار بادشاہ کے بزرگ ایک ہی تھے۔ آخر میں اس خیال نے ان کے دل کو قدرے مطمئن کر دیا کہ آمیزش خون بزرگان قدیم کے خون ہی سے ہے (صفحہ : ۴۵۸)

۵۔ محمود غزنوی کی یورشوں اور خاندان (افغان) (محمد غوری) کے حملہ اول کے موقع پر اس دیوتا (کرشن جی کا بت) کو برج چھوڑنا پڑا۔ غیر متعصب شاہان مغلیہ نے مذہب ہندو سے مخالفت کرنا کیا معنی ان کے اس دیوتا کو برج میں (دو بارہ) تسلط کر کے یہ یقین دلایا تھا کہ وہ خود بھی کنھیا جی (کرشن جی) کے معتقد اور اودھے ہندو اور آدھے مسلمان ہیں۔ بے دلی کی نظلیں جن میں راجا کشن کے حسن و عشق کی تصویریں کھینچی ہوئی ہیں اکبر کے بہت ہی پسند خاطر تھیں۔ ہندو اسے کرشن کا پرستار مانتے ہیں۔ جہاں گہر میں بھی راجپوت خون کی آمیزش تھی۔ وہ بھی اکبر کی طرح کنھیا جی کا بہت معتقد تھا۔ شاہجہان جس کی ماں راجپوت راجکماری تھی شیو جی کا بڑا بھگت اور سدھ روپ سنیا سی کامریہ تھا (صفحہ : ۴۸۲)

۶۔ ۱۶۰۶ء نے جو یک جہتی کا رشتہ قائم کیا تھا اور اکبر جہاںگیر شاہ جہان نے جس تعلق کو مضبوط کیا تھا اورنگ زیب نے اپنی حماقت سے توڑ دیا (صفحہ : ۴۶۹)

۷۔ اورنگ زیب قوم راجپوت کا جانی دشمن تھا۔ منظوم راجپوتوں نے اس کے ظلم کے انتقام میں اس کی نسل کو نیست و نابود کر دیا۔ صرف ایک صدی میں ملک نے اس کے کج بخت ہاتھوں سے خلاصی پائی۔ لیکن ظالم اسرائیل کی آخری نسل کے ظالم (افغان) ہمیشہ کے واسطے



اور نگ زیب کی طرح گناہ کے شریک رہیں گے۔ کیونکہ انہوں نے ہر ایک بے گناہ کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے میں ذرا بھی خیال رحم نہ کیا اگر یہ ظالم (افغان) ایک یاد و نشانی باقی رہنے دیتے۔ تو میں شاید ان کے احکام و رسوم، دستور و رواج، دلاوری، شجاعت، عدل و انصاف کا فروغ دنیا کے سامنے کھینچ سکتا۔ لیکن ان کی نقصان رسانی و غارت گری کی عادت نے ایک بھی نقش باقی نہ رکھا۔ جو چیزیں قابل دید و پرستش تھیں ان کو تباہ کر ڈالا۔ (صفحہ ۱۸۶)۔  
۸۔ لکھنؤی نے سمت ۱۳۲۱ مطابق ۱۲۷۵ء میں تخت پر چڑھ کر فرمایا اس کے عہد حکومت کو تاریخی دنیا میں خاص شہرت حاصل ہے۔ یہ

وہ زمانہ تھا جب پٹھان بادشاہ علاؤ الدین خلجی نے وحشیانہ رجمی سے چٹوڑ پرستہ میں دھاوا کیا۔ ہندوستان کے تمام شہروں سے باروتی اور مال و دولت سے مالا مال تخت گاہ تباہ و برباد کی گئی۔ (صفحہ ۸۱)۔  
۹۔ ایک مندر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: ”اندر کی طرف سیاہ سنگ مرمر کی دیوار ہے جس پر دیوتاؤں کی تصویریں کھدی ہیں اور ان دیوتاؤں کے تذکرے کندہ ہیں جنہوں نے منقوش پتھر آویزاں کرائے تھے۔ افسوس کہ اب ان پتھروں سے قدم حالات دریافت نہیں ہو سکتے و جب یہ کہ تمام منقوش پتھر ٹوٹے پھوٹے پڑے ہیں اور انہیں پتھروں سے اولاد اہمال یعنی روپیٹے پٹھانوں نے چولہوں کا کام لیا ہے۔“ (صفحہ ۱۰)

۱۰۔ ہمایوں کے عزلی سلطنت سے ان کی بھی ٹٹی خراب رہی۔ شیر شاہ نے چغتائی فرمانرواؤں سے حکومتیں چھین لیں اور پٹھانوں کی بادشاہت کے قدم جما دیئے۔ (صفحہ ۵۸۹)

قوم افغان

افغان قوم کے مشائخ علاء و امرا، عوام و خواص، مردوزن بادشاہ بزرگان دین، فقیر

نواب، سب اس پر متفق چلے آ رہے ہیں کہ افغان نسل ابراہیمی سے اور بنی اسرائیلی ہیں۔ لہذا اس فیصلے کے خلاف کسی غیر افغان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس میں تاویل کرے۔ اپنے آباؤ اجداد کے متعلق ان کی اولاد کا کہنا زیادہ معتبر و قابل پر نسبت غیروں کے اور ان لوگوں کو جو بزرگان دین کے مذکورہ عقیدے اور رائے کے خلاف سوچتے ہیں ان کو چاہیے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے سبق حاصل کریں جو ذیل میں درج ہے۔ ”ایک خلدون لکھتا ہے کہ جس زمانے میں عرب کے وفود اسلام لانے کے لئے نبی کریم کے پاس آتے تھے تو عرب کے شاہی خاندان کا ایک وفد کندہ سے آیا۔ اس کے سردار اشعث نے اٹھائے کلام میں آپ سے عرض کیا۔

”ہم لوگ آکل المرائر کی اولاد ہیں۔ اور آپ بھی آکل المرائر کے لڑکے ہیں۔ یعنی ہم اور آپ ایک خاندان کے ہیں۔“ آنحضرت نے یہ کلام سن کر مسک کر فرمایا۔ ”نہیں! ہم نصر بن کننہ کی اولاد ہیں۔ نہ تو ہم اپنی ماں پر تہمت لگاتے ہیں اور نہ اپنے باپ سے انکار کرتے ہیں۔“

الغرض کافی تحقیق کے بعد یہی مخلصانہ رائے یہ ہے کہ آج کل کے نو جوان جو نسل افغان سے متعلق ہیں ان کو بھی اپنے اجداد کے اقوال و اعمال اور معلومات پر یقین کامل رکھنا چاہئے کیونکہ نسب کے بارے میں ان کی معلومات کی نسبت ان کے بزرگ زیادہ حقیقت، خلوص اور سمجھ داری پر تھے۔ وہ اپنی اصل نسل خوب جانتے تھے۔ اور جیسا کہ ہم ان کے وارث ہیں تو ہمیں اپنے مورثوں اور بزرگوں کی اس وراثت پر جو نسب کے بارے میں ہے بغیر شک و شبہ مضبوطی سے قائم رہنا چاہئے سیاست کے لئے دوسرے حربے بھی بہت ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ افغان، پٹھان اور پختون سب ایک ہی قوم اور سامی نسل ہیں۔ اور حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں۔ اگر وہ اپنا شجرہ نسب تمیز سے آگے نہیں لے سکتے تو اس میں غیب کی کوئی بات نہیں، دنیا کی کوئی قوم اپنا شجرہ پوری طرح نہیں بیان کر سکتی۔



کی بحث کے وقت جس کو ایک قوم پشت بہ پشت اپنے خاندان اور نسب کی نسبت تسلیم کرنی چاہی ہو یہ بالکل نامناسب ہے کہ ہم چند ہیروہ قیاس کو ہاتھ میں لے کر ان کے مسلمات کو رد کر دیں۔ اگر ایسا کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ دنیا میں کوئی قوم بھی اپنی صحبت و دوست کو ثابت نہیں کر سکتی۔ پھر جبکہ افغانان اپنے عیسائی اسرائیلی ظالم کرتے ہیں تو سخت بیوقوفی ہوگی کہ خواہ مخواہ ان کے مسلمات قدیم سے الکار کیا جائے رقوموں کی جانچ پڑتال میں بھی کافی ثبوت اور اطمینان کے لئے واضح استقامت ہے کہ جو کسی قوم میں ان کے خاندان اور قومیت کی نسبت مشہور واقعات ہوں ان کو مان لیا جائے۔ اور ایسے امور میں اس سے زیادہ ثبوت ممکن ہی نہیں کہ ایک قوم باوجود اپنی کثرت برادری اور کثرت انتشار لطفہ کے ایک قول پر شفق ہو۔ اور اگر یہ ثبوت قابل اعتبار نہ ہو تو پھر اس زمانے میں مسلمانوں کی جس قدر قومیں ہیں مثلاً سید اور قریش اور مغل وغیرہ یہ سب بے ثبوت اور صرف زبانی دعوے پھیریں گے۔ لیکن یہ ہماری سخت غلطی ہوگی کہ ہم ان اخبار شہور و متواتر کو نظر انداز کریں جو ہر ایک قوم اپنی صحبت و قومیت کے بارے میں بطور تاریخی امر کے اپنے پاس رکھتی ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کوئی قوم اپنے خاندان کے بیان کرنے میں حد سے زیادہ مبالغہ کر دے۔ مگر ہمیں نہیں چاہئے کہ مبالغہات کو دیکھ کر یا کئی فضول اور بے ربط باتیں پا کر اصل امر کو بھی رد کر دیں۔ بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ وہ زوائد جو در حقیقت فضول معلوم ہوں چھوڑ دیئے جائیں اور نفس الامر کو جس پر قوم کا اتفاق ہے لیا جائے۔ پس اس طریق سے ہر ایک محقق کو ماننا پڑے گا کہ قوم افغان ضرور بنی اسرائیل ہے ہر ایک کو خود اپنے نفس کو اور اپنی قوم کو زیر بحث رکھ کر سوچنا چاہئے

## افغان بنی اسرائیل ہیں۔

ایک نامور عالم و فاضل اور مورخ مولوی نجم الغنی خان رامپوری اپنی تصنیف اخبار الصنادید جلد اول (مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۱۸ء) میں لکھتے ہیں کہ.....  
افغانوں کے نسب پر جو اعتراضات تم نے لائے ان کا مال یہ ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل نہیں لیکن افغانوں میں یہ شفق علیہ تاریخی امر ہے کہ تیس سو برس اعلیٰ ان کا بنی اسرائیل میں سے تھا۔ یہ بات یہودیوں اور عیسائیوں اور مسلمانوں یعنی تینوں فرقوں نے بالاتفاق تسلیم کی ہے کہ حضرت عیسیٰ سے قریب سات سو برس پہلے راٹوریوں اور بخت نصر بابل نے بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے رننیا اور بابل میں پہنچا دیا تھا۔ اور اس حادثے کے بعد بنی اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے صرف دو قبیلے یعنی یہود اور بنیامین اپنے ملک میں واپس آئے اور دس قبائل ان کے رکھن مشرق میں رہے۔ اور چونکہ اب تک یہود پتا نہیں تلا سکتے کہ وہ قبائل کہاں ہیں اور نہ انہوں نے ان سے خط و کتابت اور رشتہ کا تعلق رکھا۔ اس لئے اس واقعے سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ انجام کار وہ قومیں مسلمان ہو گئی ہوں گی پھر جب ہم اس قصے کو اس جگہ چھوڑ کر افغانوں کی سواری پر نظر کرتے ہیں کہ وہ اپنے باپ اور دادا سے قدیم سے یہ شفق آئے ہیں کہ دراصل وہ اسرائیلی ہیں تو اس امر میں کچھ بھی شک و شبہ نہیں رہتا کہ یہ لوگ انہیں جلاوطن دس قبائل میں سے ہیں جو مشرق میں ناپید نشانی ہلائے جاتے ہیں اور انہیں اسرائیلیوں میں سے شمیری کہیں جو اپنی شکل اور پیرایہ میں افغانوں سے بہت کچھ ملتے ہیں۔ ایسے امر



اگر وہ قوم جس میں وہ اپنے نہیں داخل سمجھتا ہے کوئی دوسرا شخص محض  
چند قیاسی باتیں مقرر کر کے اس قوم سے اس کو خارج کر دے اور تسلیم  
کرے کہ وہ اس قوم میں سے ہے۔ اور اس کے ان ثبوتوں کو جو پشت  
پشت کے بیانات سے معلوم ہوئے ہیں نظر انداز کرے اور مجمع  
عظیم کے اتفاق کا کچھ بھی لحاظ نہ رکھے تو ایسا آدمی کیسا فتنہ انگیز معلوم  
ہوتا ہے۔ پس بقول شخصے "ہر چہ بر خود نہ پسندی۔ بہ دیگران پسند۔"  
یہ بھی نامناسب ہے کہ دوسروں کی قسم قریبیت پر جو ایک بڑی قوی  
اتفاق سے مائل گئی ہے ناسخی کی جرح کی جائے۔ ہمیں کیا ہی پہنچتا ہے  
اور ہمارے پاس کیا دلیل کہ ہم ایک قوم کے مسلمات اور متفق علیہ  
امر کو یوں ہی زبان سے رو کر دیں۔ جب ایک امر منقول اور برین قوم  
کے اتفاق سے صحیح قرار دیا گیا ہے۔ تو اس کے بعد قیاس کی گنجائش نہیں۔  
یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بہت سی باتیں فضولی اور شیخی کے طور پر بعض  
قوموں کے لوگ اپنی قومیت کی نسبت بیان کرتے ہیں۔ لیکن محقق لوگ  
فضولی باتوں کی وجہ سے اصل واقعات کو ہرگز نہیں چھوڑتے۔ نہ خدا  
صفا و ذریعہ ماکہ نہ پر عمل کر دیتے ہیں۔ مثلاً گوتم بدھ کے سوانح میں  
یہ بھی لکھا گیا ہے کہ وہ منہ کی راہ سے پیدا ہوا تھا لیکن جب ہم  
گوتم کے سوانح لکھنا چاہیں تو ہمیں نہیں چاہیے کہ منہ کی راہ کی  
پیدائش پر نظر ڈال کر بدھ کے اصل وجود ہی سے انکار کر دیں۔ اسی  
طرح جب کسی خاندان کا پتہ ایک معلوم حد تک پہنچ کر رہ جاتا ہے تو  
پرانی باتوں پر فخر کرنے والے لوگ آسمانی پیدائش بننے کو چاند اور سورج  
وغیرہ سے سلسلہ جاساتے ہیں۔ چنانچہ راجپوتوں کی شاخ میں چند رہنسی  
اور سورج رہنسی دو بڑے مشہور خاندان ہیں۔ پھر کوئی یہ کہہ سکتا ہے  
کہ ان کا کوئی مورث اعلیٰ نہ ہو گا۔ اسی طرح راجپوتوں میں ایک شاخ

آگ رہنسی ہے۔ جو خود کو آگ کی پیدائش بتلاتے ہیں تو اس قصے کی بات  
سے ان کی قومیت اور وجود سے انکار کیا جاسکتا ہے؛ تاریخ نویسی  
ایک بڑا نازک امر ہے۔ اس میں وہ شخص جادہ استقامت پر رہتا ہے  
جو انفرادی و تفریط دونوں سے پرہیز کرے۔ یہ اعتراض بھی ٹھیک نہیں  
ہے کہ اگر افغان رنگ عبرانی الاصل تھے تو ان کے ناموں میں کیوں  
عبرانی لفظ نہیں اور ان کا شجرہ پیش کردہ توریت کے بعض مقامات  
سے کیوں اختلاف رکھتا ہے۔ یہ سب قیاسی باتیں ہیں جو قدیم تاریخ  
اور تواتر کو مٹا نہیں سکتیں۔ دیکھو نبی علیہ السلام نے قریش کے اس  
شجرے کو صحیح نہیں قرار دیا۔ جو وہ لوگ حضرت اسماعیل تک پہنچا کرتے تھے  
اور بجز چند پشت کے باقی سے سکوت فرمایا ہے۔ مگر اس سے یہ لازم  
نہیں آتا کہ قریش بنی اسماعیل نہیں ہیں۔ پھر جبکہ قریش جو علم انساب میں  
بڑے حریف تھے تفصیل دار سلسلہ یاد نہ رکھ سکے۔ تو یہ قوم افغان جن  
میں اکثر غفلت میں زندگی بسر کرنے والے گذرے ہیں۔ اگر انہوں نے  
اپنے سلسلے کی تفصیل بیان کرنے میں غلطی کی یا کچھ حدوث ملایا۔ تو اصل مقصد  
میں کیا فرق آسکتا ہے۔ اور اب توریت بھی کون سی ایسی محفوظ ہے  
جو نس قلعی کا حکم رکھتی ہو۔ غرض یہ نکتہ چینی خوب نہیں اصرار بات بھی  
صحیح نہیں کہ ان خاندانوں کے نام عبرانی طرز پر نہیں۔ جیسا بتاؤ کہ یوسف زلی  
داؤد زلی سلیمان زلی اور موسیٰ خیل۔ یہ عبرانیوں کے نام ہیں۔ یا کچھ  
اور ہے۔ ہاں جب یہ لوگ دوسرے ملکوں میں آئے تو ان ملکوں کا  
رنگ بھی ان کی بول چال میں آگیا۔ دیکھو سادات کے نام بھی ہمارے  
ملک میں جنین شاہ اور ملکن شاہ اور مسو شاہ وغیرہ پائے جاتے ہیں۔  
تو کیا اب ان کو سید نہیں کہہ گے؟ کیا یہ عربی نام ہیں۔ غرض یہ بہودہ  
نکتہ چینی اور نہایت قابل شرم خیالات ہیں۔ ہم قوم کے سوانح سے



کیوں انکار کریں۔ اس سے عمدہ تر اور صاف تر ذریعہ حقیقت شنائی  
کا ہمارے ہاتھ میں کون سا ہے کہ خود وہ قوم جس کی اصلیت ہم دنیا  
کو ناچاہتے ہیں ایک امر پر اتفاق رکھتی ہے۔ ماسوا اس کے دوسرے قرائن  
صاف بتلا رہے ہیں کہ حقیقت میں یہ لوگ اسرائیل ہیں۔ مثلاً ایک قرینہ  
افغانوں کے بنی اسرائیل ہونے پر یہ ہے کہ افغانوں کا یہ بیان کہ  
قیس ہمارا مورث اعلیٰ ہے۔ ان کے بنی اسرائیل ہونے  
کی نائید کرنا ہے۔ کیونکہ یہودیوں کی کتاب مقدس میں جو  
کتاب پہلی تاریخ کے نام سے موسوم ہے اس میں باب ۹ آیت  
۳۹ میں قیس کا ذکر ہے۔ اور وہ بنی اسرائیل میں سے تھا۔ اس  
سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یا تو اسی قیس کی اولاد میں سے کوئی دوسرا  
قیس ہوگا۔ جو مسلمان ہو گیا ہوگا۔ اور یا یہ مسلمان ہونے والے کا کوئی  
نام ہوگا اور وہ اس قیس کی اولاد میں سے ہوگا۔ اور پھر باعشر  
خطائے حافظہ اس کا نام بھی قیس سمجھا گیا۔ بہر حال ایک ایسی قوم  
کے منہ سے قیس کا لفظ نکلنا جس کو یہودیوں کے ساتھ کسی قسم کا تعلق  
نہ ہو اور محض ناخواندہ مٹھی یقینی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ قیس کا  
لفظ اپنے آباؤ اجداد سے سنا تھا کہ ان کا مورث اعلیٰ ہے۔

اس کے بعد مصنف مذکور کافی دلائل اور قرائن سے ثابت کرنے کے بعد آخر  
میں بحث کو ختم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”پھر جبکہ افغانوں کی قوم کے اسرائیل ہونے میں اتنے قرائن موجود  
ہیں۔ اور خود وہ تعامل کے طور پر اپنے باپ دادوں سے بنتے آئے  
ہیں کہ وہ قوم اسرائیلی ہیں اور یہ بائبل ان کی قوم میں واقعات  
شہرت یافتہ ہیں تو سخت نا انصافی ہوگی کہ ہم حکم کے طور سے

ان کے بیانات سے انکار کریں۔ نذر یہ تو سوچنا چاہئے کہ ان کے  
دلائل کے مقابلہ پر ہمارے ہاتھ میں انکار کی کیا دلیل ہے۔ یہ ایک  
قانونی مسئلہ ہے کہ ہر ایک پرانی دستاویز جو چالیس برس  
سے زیادہ کی ہو وہ اپنی صحت کا آپ ثبوت ہوتی ہے۔ پھر جبکہ  
صد سال سے دوسری قوموں کی طرح ’جو اپنی اپنی اصلیت بیان  
کرتی ہیں افغان لوگ اپنی اصلیت قوم بنی اسرائیل قرار دیتے ہیں  
قوم کیوں جھگڑا کریں اور کیا وجہ ہے کہ ہم قبول نہ کریں۔ یاد رہے  
کہ یہ ایک دو کا بیان نہیں۔ یہ ایک قوم کا بیان ہے جو ان کھوں انسانوں  
کا مجموعہ ہے اور پشت بہ پشت گواہی دیتے چلے آئے ہیں۔“

رشن خان ساکن فواں کلی  
تحصیل صوابی ضلع مردان  
بروز جمعہ ہمارے ۱۰۔ اپریل ۱۹۸۱ء



## ایک ضروری وضاحت

گزشتہ صفحات میں آپ صاحبان نے جو مقالہ مطالعہ کیا وہ ۱۴ اپریل ۱۹۹۱ء کے اُس مذاکرہ میں پڑھا گیا تھا جو کمیونٹی سنٹر ہال مردان (پشاور) میں ہوا تھا۔ اس مقالہ میں صرف بعض نکتوں یا حوالہ جات کا جزوی اضافہ کیا ہے لیکن اگلے صفحے سے آخر تک جو مطالب آپ صاحبان ملاحظہ فرمائیں گے وہ تمام اس کتابچہ کی ترتیب کے وقت اضافہ کئے گئے ہیں۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہی ہے کہ مطالب میں تکرار نہ ہو اور قارئین کو کام کے لئے بارِ خاطر نہ ہو۔ مجھے امید ہے کہ میں اس مقصد میں کامیاب ہوا ہوں۔ قارئین فوراً محسوس فرمائیں گے کہ اس حصے میں کئی نئی اور دلچسپ باتیں ہیں اور وہ انھیں پڑھ کر محفوظ ہوں گے۔

روشن خان

زاں کل - ضلع مردان

پشاور، پاکستان

## تحقیق مزید

### ایک تاریخی حقیقت

موجودہ صدی کے اوائل سے قبل افغانوں کے متعلق آدرین نظریہ کا کہیں (کتاب) نہ تھا لیکن کچھ عرصہ سے بعض مورخین افغان نسل کا تعلق آدرین سے ملاتے ہیں اور بعض نے تو افتر اور غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ "خانچیان لودی ابن دلاورخان نے جو شہنشاہ جہانگیر کا ایک سپہ سالار تھا ایک شخص نعت اللہ ہروی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ افغانوں کی تاریخ لکھے چنانچہ اس نے مخزون افغانی کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں پہلی بار یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ افغان بنی اسرائیل ہیں اور اس کے بعد ہی کتاب اس نظریہ کا ماخذ مانا جاتا ہے۔"

معرض کا مطلب یہ ہے کہ مخزون افغانی میں یہ نظریہ کہ افغان بنی اسرائیل ہیں غلط پیش کیا اور جو کچھ لکھا غلط لکھا، اور اس کا یہ قیاس ہے کہ بھان لودا (بنی) ہیں جیسا کہ اس کے بعد وہ لکھتا ہے۔

"خلاصہ یہ ہے کہ پختون قوم آدرین قبائل کی ایک شاخ ہے۔" لیکن نعمت اللہ ہروی کی تحریر کا یہ مطلب کیسے نکل آیا کہ افغانوں کے بنی اسرائیل ہونے کا نظریہ غلط ہے، اس خیال میں پیچیدگی ہے نہ تحریر میں اگھاؤ۔ یہی اور صاف بات یہ ہے کہ نعمت اللہ ہروی نے تاریخ کی ایک حقیقت اور صدقہ بات پہلی بار تحریر میں ضبط کر دی اور وہ بات جو سینکڑوں برس سے ایک قومی روایت کی حیثیت سے مشہور چلی آرہی تھی کتاب میں لکھ دی۔ اور یہ بھی درست نہیں کہ مخزون افغانی میں پہلی بار یہ بات لکھی گئی۔ جیسا کہ آگے چل



کہ اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھا دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مخزنِ افغانی ایک مستند کتاب ہے اور فاضل مصنف نے اسے پرانی کتابوں سے اخذ کیا ہے اور اس وقت کے افغان مشاہیر اور اکابرین سے استفسار و مشورہ اور مکمل تحقیق کے بعد مرتب کی ہے جو افغان قبائل کے منتشر گروہوں اور خاندانوں کے شجرہوں اور ان کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس زمانہ میں شیخ آدم بلوری اور ان کے والد اسماعیل خان جو خانبھان لودی کے مشیر خاص تھے اور افغان قوم کے ایک اور نامور بزرگ حاجی خضر افغان اور مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی الکابلی جیسے بزرگان دین موجود تھے ان میں سے کسی نے بھی اس کتاب پر اعتراض نہیں کیا۔ اس کتاب کی ضرورت اس وجہ سے محسوس ہوئی تھی کہ جہاں گنبد کے ہاتھوں افغانی نام و نسب اور شعار و آیات کا مذاق اڑایا جا رہا تھا اس فحش کو یہ بھی معلوم نہیں کہ جہاں گنبد سے صدیوں پہلے بھی ایسی کتابیں موجود تھیں جن سے یہ ثابت ہے کہ افغانوں کا نسلی تعلق بنی اسرائیل سے ہے مثلاً خواجہ نذیر احمد اپنی تصنیف ”جنتِ ارضی“ میں لکھتے ہیں کہ ”قومِ افغان کے بنی اسرائیل ہونے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے ہمارے پاس کئی پرانی قرائن ہیں جو نسل در نسل چلی آ رہی ہیں ان میں ایک کتاب ”روضۃ الالباب فی التواریخ الاکابرۃ الانساب“ ہے جسے ابو سلیمان داؤد بن ابوالفضل محمد البنا کتب نے ۷۱۵ھ (سات سو سترہ) میں تحریر کیا ہے دیکھا چہیں افغانوں کے آبا و اجداد پر ظلم و ستم و بددہ ہونے، حراست میں ہو کر جلا وطن ہونے اور یر و شلم کے کئی بار تباہ و برباد ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ باب اول میں حضرت یعقوب (اسرائیل) اور باب دوم میں ان کی اولاد افغان قبائل رہی اسرائیل کا ذکر تفصیل سے درج ہے۔

ابن بطوطہ غوری خاندان والوں کے پاس ہرات میں کئی چینی گزارنے کے بعد ان

کے بادشاہ، قاضیوں اور مشائخ سے ان کے حالات اور اصل و نسل معلوم کرنے کے بعد اپنے سفر نامہ جلد اول مؤلفہ ۷۸۵ھ میں غوریوں کے متعلق لکھتا ہے:-  
”یہ ایک ہی قبیلہ کے لوگ ہیں جنہیں غوریہ کہتے ہیں اور یہ لوگ غوری نام کی طرف منسوب ہیں اور ان کی اصل بھی اُسی سے ہے۔“  
معلوم ہے کہ شام کے علاقہ شرقِ اردن میں غور ایک علاقہ تھا جو بنی اسرائیل کی ایک شاخ کا مسکن اور غوریانی کے نام موسوم تھا۔  
اسی طرح ابراہیم بنی کی تصنیف جو قلمی اور دیرینہ کتاب ہے، میں بھی یہی ذکر ہے کہ افغان بنی اسرائیل ہیں۔

ان کے علاوہ شیخ علی، ملک احمد اور شیخ عبدالواحد بلگرامی مینول بابر بادشاہ کے ہم عصر تھے ادا ان کے علاوہ شہنشاہ اکبر کے ہم عصر دیگر حضرات بھی مثلاً سعد اللہ سرہنی اخون سالاک و اخون سیاک اور اخون درویش جیسے علمائے تاریخ بھی افغانوں کو نسل بنی اسرائیل کہتے ہیں۔

واقع ہو کہ شہنشاہ جہاںگیر ولد اکبر ولد ہمایوں ولد بابر سے قبل کا یہ حال تھا لیکن بعد میں بھی افغان مشاہیر اپنے آپ کو نسلِ اسرائیل اور جہتِ دین سے مسلمان کہتے چلے آئے ہیں جیسے کہ عبداللہ قصوری، میان عمر چمکنی، عبدالرحمن بابا جہند سرہنی، خوشحال خان خٹک، شاہ افغانستان امیر عبدالرحمن خان، حافظ رحمت خان رومیلیہ، عبدالسلام خان عمر خیل یوسفزئی رومیلیہ وغیرہ ان میں سے چند تاریخی حقائق و بیانات پر نظر ڈال لینا پیش نظر مقصد کے لئے نہایت مناسب ہوگا۔

### ۱۔ ایک یہودی سیاح

سارٹھے آٹھ سو برس قبل (۱۳۵۵ء میں) ایک سیاح جس کا نام بنیمین اور تطیلہ کار سننے والا مسیحا نوی یہودی تھا تاریخ کا عالم اور تاریخی واقعات کی



کر اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھا دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مؤرخ افغانی ایک مستند کتاب ہے اور فاضل مصنف نے اسے پرانی کتابوں سے اخذ کیا ہے اور اس وقت کے افغان مشاہیر اور اکابرین سے استفسار و مشورہ اور مکمل تحقیق کے بعد مرتب کی ہے جو افغان قبائل کے منتشر گروہوں اور خاندانوں کے شجروں اور ان کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس زمانہ میں شیخ آدم بنوری اور ان کے والد اسماعیل خان جو خانبھان مودی کے مشیر خاص تھے اور افغان قوم کے ایک اور نامور بزرگ حاجی خضر افغان اور مجدد الف ثانی شیخ احمد سرمنہدی الکاظمی جیسے بزرگان دین موجود تھے ان میں سے کسی نے بھی اس کتاب پر اعتراض نہیں کیا۔ اس کتاب کی ضرورت اس وجہ سے محسوس ہوئی تھی کہ جہانگیر کے ہاتھوں افغانی نام و نسب اور شعار و روایات کا مذاق اڑایا جا رہا تھا۔ افسوس کہ محض کوئی یہ بھی معلوم نہیں کہ جہانگیر سے صدیوں پہلے بھی ایسی کتابیں موجود تھیں جن سے یہ ثابت ہے کہ افغانوں کا نسل تعلق بنی اسرائیل سے ہے۔ مثلاً خواجہ نذیر احمد اپنی تصنیف ”جنت ارضی“ میں لکھتے ہیں کہ ”قوم افغان کے بنی اسرائیل ہونے کی کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے ہمارے پاس کئی پرانی تاریخیں جو نسل در نسل چلی آ رہی ہیں ان میں ایک کتاب ”روضۃ الالباب فی التواریخ الاکابرہ والاشرافہ“ ہے جسے ابوسلیمان داؤد بن ابوالفضل محمد الہی تھانی نے ۱۰۸۵ھ (سات سو سترہ) میں تحریر کیا ہے۔ دیباچہ میں افغانوں کے آبا و اجداد پر ظلم و ستم، در بدر ہونے، حرارت میں ہمو کر جلا وطن ہونے اور یر و شلم کے کئی بار تباہ و برباد ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ باب اول میں حضرت یعقوب (اسرائیل) اور باب دوم میں ان کی اولاد افغان قبائل رہی اسرائیل کا ذکر تفصیل سے درج ہے۔

ابن بطوطہ غوری خاندان والوں کے پاس ہرات میں کئی چھپے گزرنے کے بعد ان

کے بادشاہ قاضیوں اور مشائخ سے ان کے حالات اور اصل و نسل معلوم کرنے کے بعد اپنے سفر نامہ جلد اول مولفہ ۱۰۷۷ھ میں غوریوں کے متعلق لکھتا ہے:-

”یہ ایک ہی تہذیب کے لوگ ہیں جنہیں الغوریہ کہتے ہیں اور یہ لوگ غوری النام کی طرف منسوب ہیں اور ان کی اصل بھی اسی سے ہے۔“

معلوم ہے کہ شام کے علاقہ شرق اردن میں غور ایک علاقہ تھا جو بنی اسرائیل کی ایک شاخ کا مسکن اور غوریانہی کے نام موسوم تھا۔ اسی طرح ابراہیم بنی کی تصنیف جو قلمی اور دیرینہ کتاب ہے میں بھی یہی ذکر ہے کہ افغان بنی اسرائیل ہیں۔

ان کے علاوہ شیخ علی، ملک احمد اور شیخ عبدالواحد بلگرامی تینوں بابر بادشاہ کے معاصر تھے ادا ان کے علاوہ شہنشاہ اکبر کے معاصر دیگر حضرات بھی مثلاً سعد اللہ سرہ پنی اخون سالاک و اخون سیاک اور اخون درویشہ جیسے علمائے تاریخ بھی افغانوں کو نسل بنی اسرائیل کہتے ہیں۔

واضح ہو کہ شہنشاہ جہانگیر ولد اکبر ولد ہمایوں ولد بابر سے قبل کا یہ حال تھا لیکن بعد میں بھی افغان مشاہیر اپنے آپ کو نسل اسرائیل اور جہت دین سے مسلمان کہتے چلے آئے ہیں جیسے کہ عبداللہ تصوری، میان عمر چکنی، عبدالرحمن بابا احمد سرہ پنی، خوشحال خان خٹک، شاہ افغان نشان امیر عبدالرحمن خان حافظ رحمت خان رومیلیہ، عبدالسلام خان عمر خیل یوسف زئی رومیلیہ وغیرہ ان میں سے چند تاریخی حقائق و بیانات پر نظر ڈال لینا پیش نظر مقصد کے لئے نہایت مناسب ہوگا۔

## ۱۔ ایک یہودی سیاح

سارٹھے آٹھ سو برس قبل (انگلیسا ۱۱۳۵ء میں) ایک سیاح جس کا نام بنیمین اور تلمید کارہنے والا ہسپانوی یہودی تھا تاریخ کا عالم اور تاریخی واقعات کی



سے منتقل کیا تھا، بعد میں اس کا نام تبدیل کر کے میمنہ (مبارک شہر) کر دیا گیا۔  
(رحمہ اللہ! اسٹریٹجی جغرافیہ خلافت مشرقی)

### ۱۔ قدیم ترین تاریخ

سید عبدالجبار شاہ ستخانوی لکھتے ہیں کہ:-

الف: جوزی فن، جس نے ۹۳۳ء میں "یہودیوں کی قدیم تاریخ" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں وہ اپنی تصنیف کی گیارہویں کتاب میں لکھیہ بنی کے ساتھ قیداً یعنی مشرق سے یروشلم واپس جانے والے یہودیوں کے ضمن میں لکھا ہے کہ "دس قبیلے دریائے فرات سے اُس پار اب تک آباد ہیں اور ان کی تعداد شمار سے باہر ہے" دریائے فرات سے اُس پار مشرق میں تک فارس اور اس کے مشرقی علاقے یعنی خراسان (افغانستان) کثیر، ثبت، امندار و چھین مراد ہیں۔

ب: "تاریخ قدیم بخت نصر" نامی کتاب کے حوالہ سے عبدالجبار شاہ یہ بھی لکھتے ہیں:-  
بنی اسرائیل، بخارا، مرو اور خوار کے متعلقہ علاقوں میں بڑی تعداد میں موجود تھے۔  
(بنی اسرائیل یا ملت افغانہ مؤلفہ عبدالجبار شاہ)

الغرض یا اس حقیقت کی واضح نشانیان ہیں جو بتلاتی ہیں کہ علاقہ جات مذکورہ میں ابتدائی جلاوطن یہودیوں کی اولاد یعنی بنی اسرائیل آباد تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے اور شریعت محمدی کو اختیار کر لیا اور سلیمان، یحییٰ، یونس، افغان، پشٹون وغیرہ مختلف ناموں سے انہوں نے دنیا میں بڑا نام پیدا کیا اور شہرت کے آسمان پر چاند ستاروں کی طرح خوب چمکے۔

۲۔ ۱۸۷۶ء کا ہندوہست اور تاریخ پشاور

کائنات حکمہ مالی سرکار اور اس سے منسلک تاریخ پشاور میں افغان نامہ میں کے بیانات اور ان کے بیان کردہ شجرہ ہائے نسب درج ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ افغان قبلاً بنی اسرائیل ہیں۔ گویا ان کا نسب افسر ہندوہست ششہ نے

تحقیق کا بہت شائق تھا۔ وہ علاقہ جات جوزان یا جوزجان، پشت اور کوہستان غور و ہرات وغیرہ کے مغربی یا بادیہ ایران یا دشت لوط کے مشرقی پہاڑوں تک یعنی نیشاپور سے لے کر کوہ قفقز تک کا علاقہ جہاں افغان لوگ رہتے تھے، آیا تھا۔ اور ان کے ساتھ کافی وقت گزارنے اور مکمل تحقیق کے بعد اُس نے لکھا کہ:-

"نیشاپور یعنی مشرقی ایران کے پہاڑوں میں جو یہودی رہتے ہیں وہ ابتدائی (بنی اسرائیل) جلاوطنوں کی اولاد ہیں" (غلب کے حتی - تاریخ شام)

بنیہین کی مراد یہودیوں سے جو یہاں رہتے تھے، یہودیوں کی اور عبرانی قوم ہے نہ کہ یہودی مذہب کے ماننے والے کیونکہ اُس وقت یہ لوگ مسلمان ہو کر شریعت محمدی کو قبول کر چکے تھے اور اپنے آپ کو مسلمان بنی اسرائیل اور حجت دین سے مسلمان کہتے تھے، جیسا کہ افغان کے آباد اجداد سے یہ بیان متواتر چلا آ رہا ہے۔

تشمیع یحییٰ: لفظ جوز مفرد ہے اور اسکی جمع جوزان یا جوزجان یا جوزگان ہے، اس نام سے ایک نہایت درخیز علاقہ موسوم تھا جو نیشاپور کے متصل مشرق میں اور بلخ کے مغرب میں واقع تھا اور وہاں کے پہاڑوں میں جوزان نام کا ایک شہر تھا جہاں علاقہ جوزان کا حاکم گری کے موسم میں رہا کرتا تھا۔ نیز شہر میمنہ جو طاقان سے دو منزل آگے بلخ جانے والی سڑک پر تھا، اب بھی بارون شہر ہے۔ عہد وسطیٰ کے ابتدائی زمانہ میں شہر الیہودان یا الیہودیکہ کہلاتا تھا اور جوزجان کا صدر مقام سمجھا جاتا تھا۔ باتوت مورخ نے اس کو جہود الکبریٰ کے نام سے یاد کیا ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ اس میں پہلے یہود آباد کیے گئے تھے جنہیں بخت نصر نے بیت المقدس

۴۲۳

۱۔ ملاحظہ ہو نقشہ نمبر ۱۰ (پشٹانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ) مصنف روشن خان (میلے کا پتہ روشن خان اینڈ کمپنی - بھول چوک جون مارکیٹ، کراچی ۷)

۲۔ ملاحظہ ہو نقشہ نمبر ۱۰ مذکورہ حوالہ سابق صفحہ ۲۲۳



شجرہ نسب یہ ہے :- شیخ علی بی پیرک بن چارسدہ بن اکابرین اُتھان بن مند  
بن مند بن عمر بن مند بن بخش بن قند بن خوشنود سترہ بنی افغان اسرائیلی ۔

پھر آگے لکھتا ہے کہ :



خوشنوں وہی نام ہے جسے فردوسی نے اپنے شاہنامہ میں "کرسبون" کے نام سے یاد کیا ہے اور اُسے ماہویہ سوری کے دور حکومت کا جو اوائل اسلام میں تھا۔ ایک نامور شخص ظاہر کیا ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔

یکے نامور پیشی اور اندرون جہاں ویدہ ہے نام اور کرسبون  
 بھی کرسبون شیخ ملی کا جد امجد تھا۔ (عاشی تواریخ حافظ رحمت خانی ص ۵۵۹)  
 شیخ ملی تقسیم اراضی میں کامل مہارت رکھنے کے علاوہ ایک سیاسی مدبر و منتظم اور قابل جرنیل بھی تھے۔ اس کے علاوہ وہ ایک اچھے شاعر بلند پایہ ادیب اور مصنف بھی تھے۔ ان کی تصانیف میں تین کتابوں کا ذکر چلتا ہے ان میں دو کتابیں پشتو یا پختو زبان میں لکھی گئی تھیں جس میں سے ایک کتاب شریں پورہ دوسری نظم کی صورت میں بیان کی جاتی ہے۔ دونوں کتابوں کا ایک ہی نام "فتح سوات" ہے۔ یہ تاریخ کی کتابیں ہیں جن پر اس بارے میں ایسے نقاد خان زمر لانی سالنامہ کامل ۱۹۳۲ء ص ۳۹۹ میں لکھتا ہے کہ:-

شیخ ملی یوسف زئی جس نے "فتح سوات" نامی ایک تاریخی کتاب نظم کی شکل میں لکھی ہے، چونکہ شیخ ملی اپنی قوم کا رئیس تھا اور سوات کا علاقہ انہوں نے خود فتح کیا تھا، پشتو یا پختو زبان کی یہ اولین کتاب ہے اس کے سوا پشتو کی تحریر یا آثار اس سے قبل کا کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے، یہ کتاب اس وقت ہرشش میوزیم لندن میں موجود ہے۔

عبد السلام خان عمر خیل روہیلہ یوسف زئی اپنی تصنیف "نسب افغانہ" میں صفحہ ۹۰ پر لکھتا ہے کہ:-

"پشتو زبان میں پہلی کتاب نشر کی صورت میں "فتح سوات" شیخ ملی نے تصنیف کی۔"

اسی صفحہ ۹۰ پر آگے لکھتا ہے کہ یہ تصنیف شیخ ملی میرے ذاتی انتخاب (یعنی میری لائبریری) میں درج (یعنی موجود) ہے۔

تیسری کتاب "دفتر شیخ ملی" کے نام سے مشہور تھی جسے ایک انگریز نے

۱۸۶۵ء میں بمقام چکدرہ سوات کسی کے پاس دیکھ کر ذکر کیا ہے (بحوالہ یوسفی) شیخ ملی نے افغان قوم کا شجرہ نسب ان کے صلاح و مشورہ سے مرتب کر کے اس کے مطابق اراضی کو تقسیم کیا۔ غالباً اس تقسیم کا کام ۱۸۶۵ء سے شروع ہو کر چند برسوں میں پایہ تکمیل کو پہنچا تھا۔ جب انگریزوں نے یہاں افغانوں کے ہر خاندان کے معمر اور بااثر لوگوں کے بیانات لیے اور انہوں نے بند و بست کا کام اپنی شجروں کے مطابق کروانا چاہا حالانکہ اس وقت تک شجروں کو بنائے ہوئے اور تقسیم اراضی پر صدیاں گزر چکی تھیں لیکن نہ انگریز نے اور نہ قوم میں سے کسی ایک شخص نے اس پر اعتراض کیا بلکہ ہر قبیلہ اور اس کی شاخ نے اس شجرہ نسب کی تصدیق کر دی۔ تاریخ پشاور میں لکھا ہے کہ علاقہ پشاور کے اراکین جرگوں کے سامنے دیکر رب کردہ شجرہ ہائے نسب بھی پیش کیے گئے مگر انہوں نے ان کے ماننے سے قطعاً انکار کیا اور انہیں مسترد کر دیا اور کہا کہ ہمارے پاس اپنے دیرینہ شجرہ ہائے نسب موجود ہیں جنہیں شیخ ملی نے مرتب کیا ہے۔ ہم صرف اپنی شجروں پر عمل کریں گے چنانچہ حکومت نے ان کے پیش کردہ شجرہ ہائے نسب ہی کو صحیح تسلیم کر لیا اور ہندو بست شجرہ کا کام اسی بنیاد پر مکمل ہوا۔

اس بارے میں خوش (یا بخینے) قبائل اور غوری خیل کے بیانات اور شجرہ ہائے نسب اور اس کے مطابق تقسیم اراضی کا ریکارڈ اس وقت تک حکمران کے پاس پشاور میں اور اس کے علاوہ ہر تحصیل اور ہر ضلع میں محفوظ چلا آ رہا ہے۔ خوش قبائل اور غوری خیل کے لیے یہی ثبوت کافی ہے کہ وہ سراسر اپنی افغان اور سرائیکی ہیں۔

شیخ ملی نے قوم کے مشورہ سے اس شجرہ کو جو سرائیکی افغانوں کا ہے حضرت یعقوب صاحب سے حاصل کیا اور تقسیم کا کام بھی انہوں نے اس وصیت کے مطابق کیا جو حضرت موسیٰ نے میدان موآب میں اپنی قوم بنی اسرائیل کو کئی اور یوشی بنون نے اُسے عمل جامہ پہنایا تھا۔ چنانچہ شیخ ملی اور اس کی قوم افغان مسلمان بنی اسرائیل سے تھے اور انہوں نے بھی حضرت موسیٰ کے بنائے ہوئے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے مفتوح ملک کو تقسیم کیا تھا۔

واضح رہے کہ پختون "ک پہلے وقتوں میں بنی پخت کے نام سے موآب کے میدان یا



اور مجھے کتابچہ کی شکل میں اپنی اصلی حالت میں اس خاندان کی ایک خاتون سمات بی بی حمزہ بنت نور احمد شاہ موضع کھکھور ضلع ہزارہ سے ان کے داماد ڈاکٹر غلام سرور غیاث کی رسالت سے ملا ہے۔ کتابچہ کا نام ”شجرہ نسب قوم اخون خیل پٹھان ڈرائی ہے اس میں ان کا شجرہ ایک سو پندرہ پشتوں میں یہود ابن حضرت یعقوب (اسرائیلی) ایک پہنچتا ہے جو بالتفصیل اس کتابچہ میں درج ہے۔ اخون سالاک تک کا شجرہ ان کے پوتے قیصر شاہ نے یوں درج کیا ہے۔

”قیصر شاہ بن عبد الرحمن بن ملک امان شاہ بن شاہ حسین بن میاں اعظم شاہ بن محمد صفی بن محمد ادلیا بن اخون اشرف بن اکبر شاہ معروف بہ اخون سالاک“  
 اخون سالاک اور ان کے بھائی پیر عمر جو اخون سباک سے بھی یاد کئے جاتے ہیں اخون درویشہ اور اس کے ساتھیوں کے سخت مخالف تھے۔ اخون سالاک اور ان کے بھائی اخون سباک کے متعلق اخون درویشہ اپنی تصنیف تذکرہ میں لکھتے ہیں :-  
 ”اس وقت افغانوں میں ایک قاعدہ بن گیا تھا کہ جب ان میں ایک عالم فاضل ظہور میں آتا تو اس کو وہ میرے اور میرے پیر کے مقابلے میں مباحثہ کے لیے لاتے چنانچہ ایک روز پیر عمر (افغان سباک) و پیر چالاک (سالاک) ہر دو برادران پیران افغانان خشک سے جو اس علاقہ میں آئے تھے ان لوگوں نے چاہا کہ ان کو اور میرے پیر کو مباحثہ کے لیے ملا دیں۔“  
 اخون درویشہ کے اپنے الفاظ یہ ہیں :-

”تاروزے پیر عمر و پیر چالاک ہر دو برادر، راز پیران افغانان خشک دریں حدود رسیدہ بودند مردم این دیار خواستند کہ ایشان راوشینارا یکجا سازند... حضرت شیخا سکوت ورزیدہ بقصد آنگہ از جاہل بے علم چوپرہم... حضرت شیخنا بر بعض سفاهت و ضلالت او تبسم نمودہ...“

(تواریخ حافظ رحمت خانی اشاعت سوم ۱۳۸۱ھ صفحہ ۶۹۶ و ۸۲۶)

”ملک موآب جو شام کے علاقہ مشرق اردن میں واقع تھا، میں آباد تھے، لہذا وہ باسندگان موآب کے نام سے بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کتاب مقدس میں گنتی، عزرا، نحمیاہ، اور یرمیاہ (کتاب ۴۸)۔“  
 کتاب مقدس کی ایک عبارت سے موآب کے محل وقوع کا تعین بھی ہو جاتا ہے۔  
 ”پھر خدا نے موآب کے میدانوں میں جویر کچھ کے مقابل دریا کے اردن کے کنارے واقع ہیں، موسیٰ سے کہا...“

کتاب مقدس، گنتی، صفحات: ۱۵۴، ۱۵۸، ۶۲، ۶۳، ۱۶۳

لہذا انہی پخت موآب سے مراد وہ اولاد پخت یعنی پختون ہیں جو علاقہ موآب کے باشندے رہے ہیں۔

۴۔ شیخ سعد اللہ مسطرہ بنی اسرائیلی

ایک اور تاریخی روایت ایک افغان بزرگ شیخ سعد اللہ اسرائیلی کی پیش کی جاتی ہے وہ اپنے نام کے ساتھ بنی اسرائیلی لکھا کرتے تھے۔ منتخب التواریخ میں ان کے متعلق ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے علامہ عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں :-

”شیخ سعد اللہ بنی اسرائیلی کا کوکے شاگرد رشید ہیں، ان کی زندگی مختلف کیفیتوں سے گزری، انھوں نے نہایت مفید اور بلند مرتبہ کتابیں بھی تصنیف کی ہیں امام غزالی کی تصنیف ”جوہر القرآن“ پر ایک شرح بھی لکھی ہے، اکبر اعظم نے ان کو بلا کر گفتگو کی اور ان سے پوچھا، تم کس قوم کے ہو، انھوں نے برجستہ کہا، لکھنے والوں کی قوم سے۔ ان کی یہ بے تکلفی بادشاہ کو بڑی پسند آئی اور رخصت کیا۔“

۵۔ اخون سالاک و اخون سباک

اخون سالاک ربر اور اخون سباک کا شجرہ نسب جو انھوں نے خود مرتب کیا تھا



الغرض مخالفت کے باوجود دونوں فریق اس خاص مسئلہ پر متفق تھے کہ افغان بنی اسرائیل ہیں اور انھوں نے اس ملک کے تو خیر سے بھی یہ بات باپ ثبوت کر بیچ جاتی ہے کہ وہ خود بنی اسرائیل ہیں۔ سالاک اچھا لاک دونوں ایک ہی شخص کے مختلف لقبی نام ہیں۔ جیسا کہ رضانی صاحب لکھتے ہیں:

سالاک مشہور القبہ و درگاہا سالاک است، انھوں سالاک برادر ایشاں نیز مرید انھوں پنحو صاحب بودہ کہ مزارش در ملک یوسف زئی تپہ سدوم در قرعہ بھر دچ بفاصلہ سہ میل از رستم بطرف شمال است۔ (تحفۃ الاولیاء ص ۳۸)

#### ۴۔ انھوں پنحو اور انھوں درویزہ

انھوں پنحو اور انھوں درویزہ کے آپس میں بھی تعلقات اچھے نہ تھے جیسا کہ ان دونوں صاحبان کے ایک خاص مصنف میر احمد شاہ رضانی اپنی تصنیف تحفۃ الاولیاء میں اُسے دوجہ الفاظ میں لاشعوری طور پر بیان کرتے ہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے:

۹۹۱ میں سید علی ترمذی کی وفات کے بعد انھوں درویزہ بوئیر علاقہ یوسف زئی سے پشاور جاتے ہوئے موضع اکبر پورہ میں انھوں پنحو کے پاس ملاقات کی غرض سے آئے تو انھوں پنحو اور ان کے معتقدین سے کچھ انتقادات ہو سکی، بلکہ مکمل شناخت کے باوجود کسی فرد نے اس سے بات کرنا تک گوارا نہیں کیا۔ اغلباً انھوں درویزہ یہ ناپسندیدہ سلوک دیکھ کر مزید انتظار رکھنے بغیر خاموشی اور جلدی میں وہاں سے نکل کر پشاور روانہ ہو گئے، یہاں کے بعض اشخاص باہر نکل کر اُسے جاتے ہوئے دور تک پیچھے سے دیکھتے رہے۔

یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ انھوں درویزہ نے اپنی تصنیف "تذکرۃ الابرار و الاشرا" میں جو ۱۰۱۱ میں اختتام پذیر ہوئی تھی، انھوں پنحو کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

انھوں پنحو کے انتقال پر حواہ رمضان بروز دوشنبہ ۱۰۱۱ھ کو ہوا جس میں اُن کے مریدان کبار مثلاً انھوں سالاک، شیخ میاں علی شیخ رحکار

معروف کا کا صاحب، شیخ عبدالغفور عباسی چل گزی، وغیرہ سب جنازے پر حاضر تھے اور پھر انھوں نے انھوں پنحو کے بڑے بیٹے میاں عثمان کو سہارہ نشین بھی کر دیا لیکن اس سلسلے میں اور اس اہم موقع پر انھوں درویزہ کا کہیں نام تک نہیں آیا۔ حالانکہ وہ ۱۰۳۸ھ تک صحت مند اور پشاور میں مقیم تھے اور انھوں پنحو کے انتقال کے تقریباً آٹھ سال بعد ایک رات کو اچانک بیمار پڑے اور صبح کو انتقال کیا۔ (مفہوم - ماخوذ از تحفۃ الاولیاء صفحات ۳۸ - ۳۹)

ان باہمی اختلافات اور آپس کی رنجشوں کے باوجود تاریک گوہر ہے کہ ان میں افغانوں کے نسب کے بارے میں کوئی اختلاف اور نزاع نہیں پایا جاتا، سب اس بات پر متفق ہیں کہ افغان بنی اسرائیل ہیں۔

#### ۷۔ بایزید انصاری اور انھوں درویزہ

انھوں درویزہ نے اپنی تصنیف تذکرۃ الابرار و الاشرا میں اس بارے میں ایک لمبی بحث کی ہے اور بڑے دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے کہ افغان بنی اسرائیل ہیں۔ آپ سید علی ترمذی المعروف پیر بابا متوفی ۹۹۱ھ کے مرید خاص تھے۔ یہ مذکورہ کتاب ان کے ایمان سے مغل شہنشاہ اکبر کے دور حکومت میں لکھی گئی تھی انھوں نے بھی اس بات سے اتفاق کیا ہے۔ مذکورہ دونوں صاحبان دونوں بایزید انصاری کے ساتھ اختلاف سے رہے اور کئی مناظرے و مقابلے کیے حالانکہ بایزید خود اور ان کے رفقاء افغان قوم کے عاملوں اور بزرگوں میں سے تھے مگر ان میں افغانوں کے شجرہ نسب کے بارے میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ شجرہ نسب پر انھوں نے مذہب امانا اور مذہب انکار کیا۔ اس ضمن میں ان کی خاموشی جب کہ دوسرے ہر پہلو پر وہ مناظرے و مقابلے کرتے تھے، اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو اس بات سے پورا اتفاق تھا۔



## ۸۔ عبدالواحد افغان بلگرامی

شیخ عبدالواحد افغان مزار عالی بلگرامی کے نام سے ایک صوفی عالم گزرے ہیں جنہوں نے "سبع سنابل" کے نام سے ایک کتاب ۹۹۹ء میں تالیف کی ہے جس میں انہوں نے اپنی غریبہ کا شجرو یوں بیان کیا ہے،

"عبدالواحد بن ابراہیم افغان بلگرامی از عمود شیخ حسین افغان بنی اسرائیلی از شیخ عبدالصمد المعروف بہ شیخ صفی؛

## ۹۔ عبداللہ قصوری خوشیگی

عبداللہ قصوری خوشیگی افغان جو ایک نامور بزرگ گزرے ہیں اپنی ایک کتاب "اخبار الاولیاء میں بیان الاصفیاء" ۱۳۸۷ھ میں افغانوں کو بنی اسرائیل کہتے ہیں اور کافی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ افغان وہی بنی اسرائیل ہیں جو شام و فلسطین سے آشوریوں اور بابل و اوروں کے مہقوں جلا وطن ہو کر یہاں مشرق میں آباد ہوئے تھے؟

## ۱۰۔ میاں عمر چکنی

میاں عمر چکنی ریشاوری نے ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۷ء میں "المعالی شرح امالی" کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے اور یہ اگرچہ علم عقائد سے تعلق رکھتی ہے، تاہم درمیان میں جگہ جگہ تاریخی مضامین بھی درج کیے ہیں۔ دیکھا چاہیں اپنے حالات کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں۔

"پس یہ فیقر محمد عمر بن محمد ابراہیم محمدی مشرب ہے اور بہت نسب سے مشہور افغان سے ہے اور واقعات اور حقیقت میں افغان ہونے کے علاوہ اپنی طرف کسی دوسرے قسم کی نسبت کرنے کا دعویٰ نہیں کرتا، چونکہ اپنے نسب سے انکار کرنے پر وعید یعنی سزا کا حکم وارد ہے اس وجہ سے جو بات کہ نفس الامور

میں سچی ہے مکمل جاتی ہے۔ میرے والد ماجد جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ان کا نام ابراہیم اور نسب سے افغان ہے۔ افغان مذکور ملک طالت کی اولاد میں اور ملک طالت بنی اسرائیل سے تھے اور اسرائیل ایک نام ہے جو عبارت ہے بہتر یعقوب سے جو حضرت اسحاق کے فرزند اور حضرت اسحاق

ابراہیم کے فرزند ہیں۔ "علیہم السلام" (یوسف زئی افغان اشاعت چہارم ص ۱۱۰)

## ۱۱۔ اخون محمد خان محمد زئی

اخون، حافظ، ملا محمد خان بن ملا دور خان افغان محمد زئی موضع عمر زئی اشغر متونی ۱۳۵۹ھ جو ایک جلیل القدر بزرگ ہونے کے علاوہ محقق، عالم، سربراہ قبیلہ اور مصنف بھی تھے انہوں نے اپنی تالیفات میں اپنا نام محمد بنی اسرائیلی بڑا ہی لکھا ہے۔ (مرآة الاولیاء)

## ۱۲۔ حافظ رحمت خان و عبدالسلام خان

حافظ رحمت خان روہیلہ نے اپنی تصنیف "خلاصۃ الانساب" میں اور عبدالسلام خان عمر خیل روہیلہ یوسف زئی نے اپنی تصنیف "نسب افغانہ" میں قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ افغان بنی اسرائیلی ہیں۔

یہ عقیدہ محمد اکبر خان نواب آف ہوتی اور سر صاحبزادہ عبدالقیدم آف ٹوبی کا تھا۔

## ۱۳۔ امیر عبدالرحمن خان

شاہ افغانستان امیر عبدالرحمن خان اپنی کتاب "دربار امیری" ۱۹۹۵ء میں

لکھتے ہیں:-

"میں نے بچپن سے اب تک کوئی دن ایسا نہیں گزارا کہ جس روز کسی نے کسی ملک و قوم کی تائید میں نے خود نہ بڑھی ہو یا مجھے براہ کرنے سنائی گئی ہو۔"



آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”کل افغان سنی مسلمان ہیں اور افغان مورخین کے بیان کے موافق اسرائیل کی نسل سے ہیں۔ ان کا نام افغان لفظ افغند سے مشتق ہے۔“

۱۵۔ مولانا غلام حیدر

مولانا غلام حیدر موضع خلیل نزد شیوہ تحصیل صوابی اکتوبر ۱۹۳۳ء میں طالب علمی کے دوران موضع دہ بی بی میں جو علی سے ایک میل کے فاصلہ پر جانب مشرق واقع ہے مقیم تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”ایک روز مجھے جمعہ کی نماز پڑھنے کے ارادہ سے بلخ شہر آنا پڑا۔ اتفاقاً یہاں کے چند آدمیوں سے سامنا ہوا۔ میں نے ان پر اس خیال سے سلام کیا کہ وہ افغان ہیں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ یہودی ہیں اور ان میں ایک شخص جس کا نام اسحاق تھا زیادہ سمجھدار تھا۔ پوچھ گچھ اور بحث شروع ہوئی۔ انھوں نے مجھے اس علاقہ کا افغان سمجھ کر فارسی میں گفتگو کی اور افغانوں کی تاریخ اور نسب کے بارے میں بحث کرتے ہوئے کہا کہ افغان رگ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے بنیادین کی اولاد ہیں۔ میں نے ہاں کہہ کر مزید کہا کہ اسرائیلی بھی ہیں۔ اسحاق نے جواب میں کہا:-

”شما مردم از اولاد بنیادین ہستی مگر اسرائیلی نیستی، چرا کہ شما

مردم در زمانہ ماضی کہ از مشرعیّت موسوی گریختی از سلسلہ اسرائیلی دور شدی و بسبب ترک مشرعیّت موسوی ما مردم شما را اسرائیلی نمی گوئیم۔“

۱۶۔ مولانا احسان الحق صاحب

جناب احسان الحق المعروف صاحب حق صاحب موضع یعقوبی تہہ رزدار کا بیان ہے کہ وہ بغرض دینیات دارالعلوم عثمانیہ اجمیر شریف میں ۱۹۳۹ء میں مقیم تھے کہ ایک روز تعطیل کے دوران چند ساتھیوں کے ہمراہ سیاحت کے لئے باہر گئے کچھ فاصلہ

پر ایک گاؤں تھا۔ کچھ لوگ بیٹھے نظر آئے وہاں ہم بھی گئے۔ دیکھا کہ ایک معمر آدمی چار پائی پر بیٹھا ہے سر پر عمامہ اور دائیں بھی رکھی ہوئی ہے۔ باقی آدمی پتھروں کی چوکیوں پر بیٹھے ہیں۔ ہم سے پوچھا کہاں کے رہنے والے ہو۔ ہم نے کہا پٹھان ہیں اور صوبہ سرحد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس معمر شخص نے کہا:- ”اگر سرحد کے سلطان۔ آؤ چار پائی پر بیٹھو پھر کہا۔“

”پٹھان ایک عظیم قوم بنی اسرائیلی ہے جس نے سینکڑوں سال تمام ہندوستان پر حکومت کی ہے۔“

ہمارے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ راجپوت ہیں اور پتھروں پر بیٹھے ہوئے لوگ ہندو، ہندو اس راجپوت کو ٹھاکر کہتے ہیں جیسے کہ ہمارے یہاں خاٹا صاحب یا ملک صاحب کہلاتے ہیں۔

۱۷۔ چند و گیر اہم تواریخ

ان کے علاوہ اور بہت سے نامور مورخین میں جنھوں نے اپنی تواریخ میں افغانوں کے اس نسلی استیاد اور تاریخی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے اور صاف صاف لکھا ہے کہ افغان نسل کے لحاظ سے اسرائیلی ہیں۔ یہاں صرف چند اہم تواریخ کے نام درج کیئے جاتے ہیں:-

”تاریخ مرتع“ تصنیف افضل خان خٹک، ”صولت افغانی“ تصنیف زبداد خان ناغہ، ”تاریخ پنجون“ تصنیف قاضی عطاء اللہ خان مرحوم سرحدوش لیڈر اور وزیر تعلیم صوبہ سرحد، ”تاریخ یوسف زئی افغان“ تصنیف اللہ بخش یوسفی مرحوم، ”تاریخ افغانہ“ تصنیف مولوی عبدالحید خان، ”تاریخ خورشید چان“ تصنیف شیر محمد خان گنداپور اور ”تذکر افغانی“ و ”شوکت افغانی“ وغیرہ وغیرہ۔ اس نظریہ کے حامی یورپین مورخین میں سے سر ولیم جونز، الیگزینڈر ہرنس، مسٹر راورٹی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ قوم پنجون نسل بنی اسرائیل



ہے مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "تذکرہ" پنچانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ

ایک اور اعتراض جو

اس باب میں افغانوں کے بنی اسرائیل ہونے کے ثبوت میں لے جو حوالے نقل کیے گئے ہیں وہ تاریخ کے تمام حوالے نہیں ہیں۔ ان کی تلاش میں بھی کوئی خاص کاوش نہیں کی گئی بلکہ یہ اس بحث میں بالکل سامنے کے حوالے ہیں جو تاریخی کی ترجمہ کو اپنی جانب کھینچ لیتے ہیں۔ نامناسب نہ ہوگا کہ اس بحث کو زمانہ حال کے ایک مورخ اور محقق کی تازہ تحقیق پر ختم کیا جائے۔ میرا اشارہ پشتون زبان کے مشہور ادیب اور مصنف ڈاکٹر چران حسین شاہ مصنف "دودو چرانغ" میڈیکل آفیسر رسول اسپتال لکی مروت ضلع بنوں (سرحد) کی طرف ہے۔ موصوف میرے نام ایک خط میں آداب و سلام مسنون کے بعد جو کچھ لکھتے ہیں، اس کا پشتو سے ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"وہ آپ کا تحفہ" تذکرہ پنچانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ" کافی دن پہلے مل گیا تھا لیکن عذریہ فرصت ہونے کی وجہ سے آپ کو شکریے کا خط نہ لکھا۔ اس کے لئے معذرت پیش کرتا ہوں۔

آپ نے پشتون پنچتون، قوم کو سامی النسل ثابت کرنے کے لئے جو جدید انداز تحقیق اور طرز استدلال اختیار کیا ہے اس سے یہ اعتراض کافی حد تک دور اور شبہ رفع ہو گیا ہے کہ پشتون پنچتون مورخ روایات پر تکیہ کرتے ہیں اور ان کے پاس پنچتون قوم کو بنی اسرائیل ثابت کرنے کے لئے تاریخی دلائل کی کمی ہے۔ آپ نے پشتو پنچتون زبان میں عبرانی زبان کے ذخیرہ الفاظ کا بھی پہلی بار مفصل جائزہ لیا ہے اور یہ امر کافی مضبوط دلائل سے ثابت کر دیا ہے

لے تذکرہ کا تیسرا ایڈیشن ترمیم و اضافہ اور مزید اہتمام صحت کے ساتھ شائع ہو گیا ہے۔ جو روشن خان اینڈ کمپنی رتبہ کوٹلیز پھول چوک جونا مارکیٹ کراچی سے مل سکتا ہے۔

کہ پنچتون نسل بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی زبان پشتو کا ماخذ بنی اسرائیل کے قومی زبان عبرانی ہے۔

۱۲۔ بے نظیر کام کے لئے آپ پوری قوم کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں۔ اس کے لئے میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

### چند مزید حوالے

ہم اس بحث کو اختتام تک پہنچانے سے پہلے جنوب مشرقی ایشیا میں بنی اسرائیل کی موجودگی کے متعلق چند مزید محکم اور ناقابل تردید ثبوت پیش کرنے ہیں اور بتاتے ہیں کہ افغان (بنی اسرائیل) میدیوں یا آریوں کے پاس ملک شام سے جلاوطنی کی صورت میں ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے آباد تھے۔

۱۔ ابن بطوطہ نے ۷۴۷ھ میں ہرات سے ہندوستان جاتے ہوئے سندھ میں قیام کیا تھا اور وہاں کے حالات و واقعات دیکھ کر اس نے اور بعض دیگر مؤرخین نے بھی بلوچستان، سندھ اور ملتان جنوبی ہند میں بنی اسرائیل، افغان قبائل کی موجودگی بیان کی ہے اور انہیں یہودی النسل اور عراق کے شہر سامرہ سے نکلے ہوئے لوگ کہا ہے

۲۔ تاریخ سندھ میں مولانا اعجاز الحق قدوسی ابن بطوطہ کے حوالے سے لکھتے ہیں اور "سندھ میں سومروں کی سلسلۂ ۷۴۷ھ مطابق ۱۵۰۰ھ میں قائم ہو کر ۱۵۵۰ھ مطابق ۱۶۵۲ھ یعنی بن سو سال تک قائم رہی۔ ابن بطوطہ جو سندھ میں آیا تھا اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سومرہ قوم کے حکمران اسلام خاں دہلی کے ماتحت حکمران کر رہے تھے۔



اس کے بعد قدوسی صاحب نے ابن بطوطہ کا یہ بیان نقل کیا ہے :-  
 ”دعویٰ کی مسافت کے بعد ہم کشتی سے جہانی پہنچے جو دریائے سندھ کے کنارے ایک خوبصورت اور بڑا شہر ہے، جس میں خوشنما بازار ہے اور اس شہر میں اونار نامی سامری امیر رہتا ہے، یہاں کے رہنے والے وہ لوگ ہیں جن کو سامرہ کہتے ہیں۔ ان کے اسلاف یہاں اُس وقت آباد ہوئے جب حجاج کے زمانے میں سندھ فتح ہوا جیسا کہ مؤرخین نے لکھا ہے۔ اور شیخ رکن الدین بن شیخ طس الدین بن بہاؤ الدین بن زکریا قریشی نے مجھے خبر دی کہ اُن کے جد اکبر محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے موقع پر حاضر تھے اور یہ ”سامرہ“ اُس لشکر کے ساتھ آئے جس کو حجاج بن یوسف نے اپنی امارت کے زمانے میں عراق سے اس مقصد کے لئے بھیجا تھا۔“

۳۔ ابو ظفر ندوی صاحب نے اپنی کتاب ”تاریخ گجرات“ میں مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کا یہ بیان نقل کیا ہے :-

”یہ لفظ جو عام طور پر سومرہ مشہور ہے۔ وہ دراصل سامرہ ہے، اور سامرہ عراق کا مشہور شہر ہے، اب لوگ وہیں سے آکر آباد ہوئے اور قوت پاکر حاکم ہوئے۔“ (تاریخ گجرات تصنیف ابو ظفر ندوی)  
 ۴۔ مولانا عبدالحکیم شرر اپنی کتاب تاریخ سندھ کی پہلی جلد اس قبیلے کے متعلق لکھتے ہیں :- ”یہ نو مسلم یہودی تھے۔“

۵۔ مولانا کے اس بیان کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ اس لیے کہ امام بلاذری نے اپنی کتاب ”فتوح البلدان“ (حصہ اولیٰ) میں شام و عراق کے واقعات میں الشامہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :- ”السامرہ یہودی ہیں اور اُن کی دو قسمیں ہیں، ایک کو الدستان اور دوسری کو اکوشان کہتے ہیں۔“ (لفظ کش یا کوش واحد اور اس کا جمع کوشان یا کاسان ہے)

مقبور یہ افذ کیا جاتا ہے کہ اس سے مراد وہ دونوں افغان قبیلے ہیں جو اس وقت دوتانی اور کاسی یا کاسی، کوشی کہلاتے ہیں۔ دراصل یہ ایک ہی قبیلہ کے مختلف نام ہیں) اور ان ناموں سے اب بھی علاقہ بلوچستان میں آباد ہیں جو اربکان اور اکوشان کے مترادف ہے نیز ان کے عزیز اور ہم نسل قبیلہ الشامرہ بلوچستان کے متصل مشرق میں علاقہ سندھ میں بھی آباد ہیں اور سومرہ کے نام سے مشہور ہیں۔ سندھ کے متصل بطرف مشرق جنوبی ہند بالخصوص ملابار میں بھی جلاوطن یہودی آباد ہو چکے تھے جیسا کہ تاریخ سندھ میں درج ہے کہ

”ملابار کا راجہ عہد رسالت کے زمانے میں سسی زبورن تھا جو یہودیوں کے قبیلہ سامری سے تھا، جب اس کو حضرت محمدؐ کی بعثت کا حال معلوم ہوا تو اسلام قبول کر لیا اور سلطنت اپنے ولی عہد کو سپرد کر کے خود کشتی میں سوار ہو کر ملک عرب کی جانب روانہ ہوا لیکن راستے میں فوت ہو کر ساحل یمن میں مدفون ہوا۔“

واضح ہو کہ حضرت سلیمان کی وفات پر عراق میں سامرہ نامی شہر تعمیر ہو کر سلطنت اسرائیلیہ کا دار الحکومت بنایا گیا تھا جس کا پہلا بادشاہ یربعام تھا اور اُس کی وفات پر کاسی یا کوشی قبیلہ کے سردار سسی زارح کو سامرہ نامی شہر میں سلطنت اسرائیلیہ کا بادشاہ بنایا گیا تھا۔ زارح ایک زبردست بادشاہ گزر رہا ہے کہ کتاب مقدس تواریخ ۱۱) وہ لاکھوں کی تعداد میں فرج رکھتا تھا۔ کاشی، کوشی کے متعلق کتاب مقدس (اردو) میں کئی مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ علاحدہ طور پر یہاں باب ۲۶۔ باب ۳۸۔ باب ۳۹۔ باب ۴۰ اور ناحوم باب ۱۔ اور حنفیاہ باب ۱۔ (طبع بائبل سوسائٹی آنا رکلی لاہور)

قبیلہ سومرہ کے علاوہ یہاں سمر یا حجام، لنگاہ اور لولہ وغیرہ بھی اپنی جلاوطنی میں اسرائیلی خاندانوں کے باقیات ہیں۔

۶۔ ابن بطوطہ اپنے سفر نامہ جلد دوم میں لکھتا ہے کہ :-



”کبھی گری جو زمانہ حال میں ڈنگ نور کھلتا ہے اور کوہین (ہندوستان کے مشرقی حصے کی ریاست میں واقع ہے) یہودی اس شہر میں زمانہ قدیم سے رہے نصرانی بھی اُن کے بعد رہے۔ کہتے ہیں کہ موقعا حواری شہدے میں یہاں یہودیوں کی اصلاح کے لئے آئے تھے۔“

۸۔ بائبل میں مرقوم ہے کہ

”تو مارسل جو حضرت مسیح کا حواری تھا ایک مدت تک خراسان (افغانستان) میں تبلیغ کرتا رہا بعد میں وہ ہندوستان چلا گیا اور مالا بار کے یہودیوں میں تبلیغ کرتا رہا اس کے بعد وہ مدراس چلا گیا اور وہاں شہید ہو کر میلہ پور (علاقہ مدراس) میں دفن ہوا جس کی زیارت وہاں موجود ہے اور اُس پر بڑا اگر جانا ہے۔“

۹۔ عیسائی علماء اس پر متفق ہیں کہ جنوبی ہند میں جہاں مسیح کے حواری تو ما کی قبر موجود ہے وہاں اسرائیلی قبائلی موجود تھے جن کو مسیح کا پیغام پہنچانے کے لئے تو مارسل ملا بار اور مدراس تشریف لائے تھے۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۵۸)

۱۰۔ اسی طرح کشمیر کے متعلق بھی پادری برکت اللہ نے یہ اعتراف کیا ہے کہ یہاں ابتداً عیسائی آباد تھے اور تاریخی شواہد سے ثابت کیا ہے کہ افغانستان اور کشمیر میں اسرائیلی قبائلی آباد ہیں۔ (تاریخ کلیسائے ہند ص ۱۵۸)

۱۱۔ اس سلسلہ میں شام کے ایک مشہور مورخ کا بیان ذیل میں نقل کرتا ہوں تاکہ اہل علم حضرات اس پر تحقیقی نگاہ سے غور فرمائیں۔ اس میں ایک بڑا فقرہ ”پیشینا“ ہے جو ایسا لگتا ہے کہ یہ شہر کا دوسرا نام ہے۔ دوم۔ پارٹیا یا خراسان میں جس کا نام اس وقت افغانستان اور اُس کا محقق علاقہ ہے، میں عیسائی عبادت خانوں کی موجودگی ہے جس سے افغان مشاہیر کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ ابتداً ہی سے کثرت و بیشتر دعوت عیسوی قبول کر چکے تھے۔ حلب کے حتی کا بیان ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتا ہے کہ:-

”سریانی کلیسا در شہر ادیس (اروفا شام) میں اس کلیسا کی بنیاد دوسری صدی

عیسوی کے آخر میں پڑی تھی۔ بعد کی صدیوں میں یہ کلیسا انطاکیہ اور مغرب کی یونانی روایات سے مطابقت قائم نہ دکھ سکا۔ چنانچہ انجیلوں کے متعلق اس نے اپنی تعبیرات اختیار کر لیں۔ پہلے وہ سلسلہ جاری رکھا جو اصطلاح میں اتفاق (ناجلی کہلاتا ہے) پھر ”پیشینا“ یعنی ساوہ تعبیر اپنال گئی۔ پیشینا اُس وقت سے معیاری سریانی تعبیر مانی جاتی ہے۔ سریانی کلیسا کا پہلا ماہر دینیات افرام سائرس (اسرائیل) تھا یہ شخص شامی کے لقب سے مشہور ہے، قریب ۳۳۰ عیسوی میں پیدا ہوا اور ۳۷۰ عیسوی میں وفات پائی، وہ دینی شاعر بھی تھا اس نے سریانی زبان (جو آرامی ہی کی ایک شاخ تھی) میں مذہبی گیتوں کی ابتدا کی اور خالق ہی نظام جاری کرنے کا وہی ذمہ دار تھا۔ افرام نصیبین (شام) میں پیدا ہوا پھر ادیس چلا آیا یہاں اس نے درسگاہ کو از سر نو زندہ کیا۔ یہ درسگاہ ایک عظیم الشان سریانی یونیورسٹی بن گئی۔ سریانی کلیسا کی شاخیں مصر، ہرات، اسمرقند، اور وسط ایشیا کے دوسرے مقامات پر پھیلی عیسوی کے وسط میں قائم تھیں۔ (تاریخ شام) ۱۲۔ قاضی محمد یوسف صاحب فاروقی بحوالہ ”تاریخ کلیسا“ لکھتے ہیں:-

”حضرت عیسیٰ کے حواری تھوما اور برتھوما اور متی رسول مشرق کو ترکستان افغانستان اور ہندوستان کو آئے، افغان جو بنی اسرائیل ہیں، مذہب عیسوی میں داخل ہوئے، حضرت محمدؐ کے ظہور سے قبل مشرقی حکاک میں عیسائیت موجود تھی اور پھیلی ہوئی تھی (خطبہ اسلام کے بعد) تبس عبد الرشید وفد کے ساتھ دربار رسالت میں تشریف لے گیا اور صلح ہو گیا اور اُس وقت وہ نصرانی تھا۔“

پختون یا پشتون قوم کا منسل اور آبائی تعلق اُن جلا وطن بنی اسرائیل سے ہے جنہیں اشوریوں اور بابل والوں نے یکے بعد دیگرے اُن کے وطن شام اور اس کے اطراف سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا اور جن کی آبادیاں مشرق میں نواح بابل کے علاوہ ایران اور خراسان کے علاقوں سے لے کر دریائے سندھ کی وادی تک میدیوں یعنی آریاؤں کے درمیان پھیلی ہوئی تھیں۔



اپنے دُور بھیجے تھے اور تصدیق ہوئے ہی ایمان لے آئے تھے۔ معلوم رہے کہ یہ عبارت جن حقائق پر مشتمل ہے افغان علماء و محققین اس پر متفق ہیں۔

۱۳۔ حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواری:۔ حضرت عیسیٰؑ کے اصحاب یا حواری رجوع افغانوں کے ہم نسل اور ہم زبان تھے، صدقِ دل سے دعوتِ حق تسلیم کر کے حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لائے تھے اور ان کے علاوہ جس طائفہ نے حضرت عیسیٰؑ کی دعوت قبول کی تھی وہ طائفہ مشرق میں افغانوں ہی کا تھا جن کے متعلق حضرت عیسیٰؑ نے کہا تھا۔

”مجھے سوائے اسرائیل خاندان کی نگشتہ بھیڑوں کے اور کسی کے لئے

نہیں بھیجا گیا۔“ (انجیل متی باب ۱۵)

اور حضرت عیسیٰؑ نے اپنے شاگردوں کو ہدایت کی کہ۔

”اسرائیل خاندان کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں جاؤ اور ان کو جاتے

جاتے نصیحت کرو۔“ (ماتی باب ۱۰)

زمانہ قدیم سے افغان قوم میں مسلسل یہ روایت چلی آرہی ہے کہ ان کو اپنے انبیاء کی طرف سے بشارت سنائی گئی تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش پر ایک ستارہ نمودار ہوگا جو ان کی پیدائش کی نشانی ہوگی۔ اس کی تصدیق انجیل متی باب دوم سے ہوتی ہے کہ انھوں نے مشرق میں وہ ستارہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش پر نمودار ہوتے دیکھ لیا۔ اُس وقت یہ لوگ شریعت موسویؑ پر تھے اور ”جرجستان“ آرمینیا، ایران اور خراسان، عجمیوں کے زیر تسلط علاقوں میں جلا وطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ تورات کی زبان میں ان مذکورہ علاقوں کو مشرق کہا گیا ہے، ”مادوس“ اور ہندو کے عہد میں خراسان کو میڈیا اور پارٹھیا بھی کہتے تھے۔

اپنے انبیاء کی بشارت کے بموجب افغانوں نے اپنے علماء و ائمہ پر مشتمل ایک وفد کو بیت المقدس بھیجا تا کہ وہ وہاں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی تصدیق کریں۔ کتاب کولوی عہد یونانی زبان سے پشتو ترجمہ ۱۹۴۵ء پرشش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی امریکا

یہ قوم پہلے شریعت موسوی اور پھر ہدایت عیسوی پر قائم تھی اور جب اُن تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام پہنچی تو مشرق بہ اسلام ہو گئے۔ الغرض عیسائیت اور یہودیت جس پر یہ لوگ قائم تھے اُس ننگ کی کو نہ بچھا سکتی تھی جس کو اسلام نے آکر بچھایا اور عیسوی اور موسوی تعلیمات کو صحیح جامہ پہنا کر ان کو پائیدار تکمیل تک پہنچا دیا۔ اسلام کی بدولت ان میں نئی زندگی پیدا ہوئی اور ماہویہ موسوی شیخ حمید دوی، خصوصاً شہاب الدین محمد غوری کے دورِ اُنتدار میں دشتِ لوط یا بادیر ایران کے مشرقی پہاڑوں سے مشرق کی طرف درہ بانی سندھ کی وادی تک اُس سارے علاقے پر جہاں جہاں ساسانیوں اور تاتاریوں کے غلبہ کی وجہ سے یہ لوگ ہجرت کر گئے تھے قبضہ کر کے دوبارہ آباد ہو گئے۔ اور محمد غوری کے زیرِ قیادت وہ پنجاب اور سندھ پر بھی قابض ہونے کے ساتھ ساتھ بنگال اور آسام تک بحیثیت حکمران جاسپہے۔

جیسا کہ ذکر ہو چکا افغان قوم پہلے یہودیت اور بعد میں عیسائیت پر بھی قائم تھی۔ دونوں مذاہب ایک ہی شریعت رکھتے تھے جو اللہ کی طرف سے انھیں پیغمبروں کے ذریعہ سے پیش کی گئی تھی وہ خالص دین اسلام ہی تھا۔ آج ہم یہودیت اور عیسائیت کی قطعی تبدیل شدہ شکل سے موسوی اور عیسوی شریعتوں اور ان کی حقیقی صورت کا پتہ نہیں چلا سکتے۔ یہ تو اسلام تھا جس نے آکر ہمیں بتایا کہ شریعت موسوی اور عیسوی کی حقیقی تعلیمات کیا تھیں۔ حضرت موسیٰؑ نے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ کے مبعوث ہونے کی خوشخبری سنائی تھی اور ان کے بعد حضرت عیسیٰؑ نے نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی نوید جانفزا سنائی، اسی سبب سے افغان علماء و بزرگ جانتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ اور اس کے بعد حضرت محمدؐ پیدا ہوں گے چنانچہ یہ لوگ ہمیشہ ان انبیاء کی بعثت کی نوید مسرت سننے کے منتظر رہتے تھے اور جب انہوں نے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ کی بعثت کی خبریں اپنے اپنے وقت پر سنیں تو ان کی تصدیق و توثیق کے لئے فوراً



لاہور میں یوں درج ہے کہ :-

”جس وقت حضرت عیسیٰ یہودیہ کے شہر بیت التعم میں بادشاہ جیردیس کے عہد سلطنت کے دوران پیدا ہوئے تو جانب مشرق سے عجوسی لوگ بیت المقدس میں بدیں غرض آئے کہ وہ یہودیوں کے پیدا شدہ بادشاہ کی جلٹے پیدائش معلوم کریں کیونکہ اُن کے کہنے کے بموجب انہوں نے مشرق میں ان کا ستارہ دیکھا تھا۔ میرودیس بادشاہ نے جب یہ سنا تو بہت پریشان ہوا اور قوم کے تمام کاہنوں اور کاتبوں کو جمع کر کے اُن سے پوچھا کہ مسیح کہاں پیدا ہوں گے۔ انہوں نے کہا یہودیہ کے شہر بیت التعم میں۔ اُس وقت میرودیس نے عجوسوں کو خفیہ طور پر اپنے پاس بلایا اور اُن سے پوچھا کہ وہ ستارہ انہوں نے کس وقت اور کہاں دیکھا تھا وغیرہ وغیرہ۔ پھر اُن کو بیت التعم بھیج دیا اور تاکید کی چلے جاؤ اور نہایت احتیاط سے اُس لڑکے کے بارے میں دریافت کرو اور جب کبھی تم اُسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو مجھے بھی مطلع کرنا تاکہ میں بھی وہاں جا کر اُسے مسجد کروں۔ انہوں نے جب بادشاہ سے یہ سنا تو روانہ ہوئے اور دیکھنے کہ وہی ستارہ جہاں انہوں نے مشرق میں دیکھا تھا اُن کے آگے آگے اوپر جاتا رہا اور وہاں ٹپک گیا جہاں وہ لڑکا تھا اوپر کھڑا ہو گیا۔ یہ لوگ ستارہ دیکھنے پر بہت زیادہ خوش ہوئے اور جب اُس گھر میں داخل ہوئے تو اُس لڑکے کو اپنی ماں مریم کے پاس دیکھا۔ اُس کے دیکھنے سے بہت خوش ہوئے اور اپنے اپنے صندوق کھول کر سونا، نوبان اور موتی اُسے پیش کئے۔ اُن کو خدا کی طرف سے خواب میں خبردار کیا گیا کہ میرودیس کے پاس نہ جائیں چنانچہ وہ دوسرے راستے سے واپس اپنے وطن چلے گئے۔“

اگرچہ انجیل متی باب دوم میں اُس افغان وفد کو عجوسی کے نام سے یاد کیا گیا ہے لیکن اس سے مراد عجوسوں کی مملکت اور علاقہ ہے نہ کہ ارکان وفد کا مذہب۔ مذہبی اعتبار سے تو یہ وفد اُن لوگوں پر مشتمل تھا جو شریعت موسوی پر تھے۔

نے اُن کی رہنمائی کی تھی۔ کیونکہ وہی ابن اسلام تھے اور وہی جلد وطن اسرائیلی تھے۔ مگر فارسیوں کی عجوسی مملکت میں رہنے کی وجہ سے اُن کو عجوسی کہا گیا ورنہ کہاں عجوسی آتش پرست اور کہاں یہودی بادشاہ کی تلاش۔ جیسا کہ علامہ احمد حسین الہ آبادی اردو مترجم تاریخ ابن خلدون قبل از اسلام (حصہ دوم میں صفحہ ۲۵۲ حاشیہ پر) لکھتے ہیں :-

”جس لفظ کا ترجمہ اس مقام پر عجوسی کیا ہے انگریزی ترجمہ میں وہاں ویزن کا لفظ ہے جس کے معنی دانا آدمی کے ہیں اور رومی لفظ جی ہے جس سے عجسین نکلا ہے۔ مگر درحقیقت وہ لوگ جو آئے تھے عجوسی نہ تھے بلکہ قدیم حکماء کے فرقہ سے تھے جو حکمت و نجوم و ہیت میں کامل اور اپنے مذہب میں مقتدا اور پیشوا گئے جاتے تھے۔“

الغرض حضرت عیسیٰ کے واقعہ صلیب کے بعد حواریوں کی تبلیغی مساعی تیزی سے شروع ہوئیں اور انہوں نے حضرت عیسیٰ کی ہدایت کے مطابق جہاں بھی جلا وطن بنی اسرائیل آباد تھے اُن کے پاس پہنچے اور اُن کو حضرت عیسیٰ کا پیغام پہنچایا تھا۔ پختون خوا میں حواریوں کا اس غرض سے آنا کافی دلائل سے ثابت ہے۔ ۴۔ جب حضرت عیسیٰ کو تختہ دار پر چڑھائے جانے کی خبر پھیلی تو ہر ملک سے کافی لوگ بیت المقدس پہنچے جن میں افغان قوم کے نمائندے بھی تھے چنانچہ انجیل مذکورہ میں رسولوں کے اعمال باب دوم میں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

”بیت المقدس میں مسافر یہودی تھے ایماندار ہر قوم میں سے کہ آسمان کے نیچے آباد ہیں اور جب یہ آواز آئی تو سب جمع ہو گئے اور متفکر ہوئے اس لئے کہ ہر ایک نے یہ سنا کہ وہ میری زبان میں باتیں کر رہے ہیں۔ سب ہوش و حواس کھو بیٹھے اور حیرانگی کے عالم میں کہنے لگے کہ دیکھو وہ سب جو بائیں کر رہے ہیں گلیل نہیں

WISERMAN



ہیں کیا ہر پھر ہم کس طرح ہر ایک اپنے اپنے ملک کی زبان سن رہے ہیں جہاں ہم رہتے ہیں اور پیدا ہوئے ہیں۔ یعنی ممالک یا رشتہیان، میدان، علمیان، عراق، یہودیہ، کید کیا، بطنس، آسیہ، فروکیہ، پھولہ، مصر اور لیو ا جو کرینی کی طرف ہے اور رومی مسافر اور نیز مرید کی تیاں اور عرب ہم سب اپنی اپنی زبان میں اُن سے خدا کے بڑے کارنامے سن رہے ہیں۔

پطرس اُن گیارہ حواریوں کے ساتھ اٹھا اور بلند آواز سے کہا اے یہودیہ تم سب جو بیت المقدس میں جمع ہو اس پر کچھ جاؤ اور میری باتوں پر دھیان رکھو۔ کچھ نصیحت کی اور پھر باؤا بلند کہا اے اسرائیلیو! یہ باتیں اچھی طرح سنو کہ عیسیٰ ناصری بھی ایک انسان تھا جسے خدا نے اُن کی قوت عجیب و غریب کارناموں اور نشانوں سے ثابت اور ظاہر کیا یعنی وہ اہم کارنامے جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذیل سے تمہارے درمیان سرانجام دیئے جیسا کہ تم کو بھی معلوم ہے۔

اس ارشاد میں جن جن ملکوں کا ذکر کیا گیا ہے اُن میں کئی علاقے وہ ہیں جن میں قوم افغان یعنی سابق جلا وطن بنی اسرائیلی منتشر حالت میں مادیوں یا آریوں کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ سکونت پذیر تھے جیسا کہ پارٹیا یعنی خراسان یا موجودہ افغانستان، میدان یعنی موجودہ دیرو باجوڑ کا علاقہ اور کبد کیا یعنی ضلع مردان پشاور میں کابل کیا جو موجودہ تربیلہ ڈیم کا مشرقی حصہ ہے، ان ممالک میں اس وقت بھی افغان قبائل آباد ہیں جن کے اسلاف وہی جلا وطن بنی اسرائیل تھے۔ انخرن پطرس نے یہودی اور اسرائیلی دونوں کو الگ الگ مخاطب کر کے نصیحت کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودی وہ لوگ تھے جو وہاں کے گرد و نواح سے آئے تھے اور اسرائیلی سے مراد وہ لوگ تھے جو باہر یعنی مشرق سے آکر وہاں جمع ہوئے تھے جس میں پختون خوا کے علماء و حکماء اور اراکین جو کہ بھی شامل تھے۔

ہا۔ اسو اسرائیلی انبیاء جلا وطن اسرائیلی یعنی پختون خوا کی اصلاح اور انھیں راہ راست پر لانے کے لئے ان کے ہاں ایسے انبیاء علیہم السلام بھی آئے رہے

اُن کے مزارات بھی پختون خوا کے مختلف مقامات پر اس وقت تک موجود ہیں۔ مثلاً ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ۔

”بلخ میں حضرت حزقیلؑ بھی کا مزار ہے، اس پر ایک قبہ بنا ہوا ہے جن کی ہم نے زیارت کی ہے۔“

مفسر ذبذہ الاخبار ہرات کے متعلق عبدالرحمن قاضی کی تاریخ قدیم ہرات ابراہیم الحاص کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ۔

”خراسان میں بہترین مقام ہرات ہے اور اُس پر ستر انبیاء علیہم السلام نے دلائل خیر کی ہے۔“

جغرافیہ خلافت مشرقی میں درج ہے کہ۔

”ساوہ کا شہر جو مہمان اور مرو کے وسط میں خراسان والی شاہراہ پر واقع تھا اُس کے چار میل مغرب میں حضرت شامولؑ نبی کا مزار تھا۔“

مؤلف تاریخ لب لباب لکھتا ہے کہ اکیقباد (کیوچہ پسر خورس یا سائرس) کے زمانے میں بلخ اور اس کے اطراف میں بنی اسرائیل کے انبیاء حزقیل، الیاس، الیسع، شامول علیہم السلام بیک وقت موجود تھے۔

ایک اسرائیلی نبی جو غازی پیغمبر سے مشہور ہیں باجوڑ کے جنوبی علاقہ اتمان خیل کے مقام رنگ برنگ میں دفن ہیں، اسی طرح نین اور انبیاء کی قبریں ہیں جن میں ایک بمقام باجکہ میں دوسری لیگانڈری علاقہ بونیر میں اور تیسری علاقہ دیرو میں پھر گرہ سے تین میل کے فاصلہ پر موضع کہنہ ڈھیر والے پُپانے راستے کے شمال کنار پر واقع ہے۔ مذکورہ مزارات عوام الناس میں مشہور و معروف ہیں۔

تاریخ انبیاء کا ایک اہم نکتہ۔

ادھر کی سطروں میں سرزمین بنی اسرائیل کے جن انبیاء کے نام آتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ان ناموں کے پیغمبر ان سے پہلے بھی مختلف ادوار و مقامات میں مبعوث



جیسے تھے مثلاً حضرت الیاس، حضرت شعیث وغیرہا علیہم السلام۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی شعبہ میں نہیں پڑھنا چاہیے۔ یہاں حرف سرزمین بنی اسرائیل کے چند انبیاء کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ انبیاء میں یہ فخر حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حاصل تھا کہ وہ اپنے نام کی واحد شخصیت تھے۔ قرآن میں حضرت ذکر با علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت دی تھی کہ ”یا زکریا! انا نبشرك بغلام اسمه یحییٰ لم نغفل له من قبل سمیاء“ (سورہ مریم، آیت نمبر ۷) یہ اللہ تعالیٰ کا ایک فضل تھا جس کا نظام اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمایا۔

۱۷۔ زبان۔ پختو یا پشتو اور سامی زبانیں ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں اور پشتو یا پختو میں سامی زبانوں کے الفاظ بکثرت ہیں۔ سامی زبانوں کے متعلق مشہور مؤرخ فلپ کے حتمی لکھتا ہے کہ:-

”اشوری، قدیم بابلی (اکادی) کنعانی، فونیقی، حبشی، آرامی، عبرانی، عربی اور سریانی زبان جو آرامی ہی کی ایک شاخ تھی، یہ سب سامی زبانیں ہیں۔ ان تمام زبانوں کے درمیان گہری مماثلت ہے اور بحیثیت مجموعی یہ دوسری زبانوں کے مجموعوں سے جدا گانہ ہیں، حضرت ابراہیم اصلاً آرامی تھے اپنے ہم قوموں سے آڑی میں بات چیت کرتے تھے اور وہی عبرانی قوم کے جدا امجد ہیں۔ باجہ زوجہ ابراہیم اور ان کا بیٹا اسمعیل یعنی ماں بیٹے کی زبان عبرانی تھی اور آپس میں اسی زبان میں بات چیت کرتے تھے، حضرت اسمعیل نے عرب کے جرہم قبیلہ میں نکاح کیا اور ان کی اولاد نے اپنی عبرانی زبان چھوڑ کر جرہم قبیلہ سے عربی زبان سیکھ لی اس واسطے حضرت اسمعیل کی اولاد کو عرب مستعرب کہتے ہیں۔... عبرانی اگرچہ مرگئی تھی لیکن اس نے بہت سی جذبات زبانوں کے لئے الفاظ کی ایک قیمتی میراث چھوڑ دی۔... آرامی زبان سامی بولیوں میں سے ایک تھی، اور آرامی تاجروں نے اسے ابتدا سے دور دور تک پھیلا دیا تھا۔ آرامی زبان ابتدا میں شامیوں کی تجارتی زبان تھی، ۵۰۰ قبل از مسیح کے آس پاس یہ پورے ہلالِ زرخیز میں حرف تجارت

حضارت اور سرکاری کاروبار ہی کی زبان نہ رہی بلکہ باشندوں کی عام بولی بن گئی اور اس نے اپنی تمام ہمسری زبانوں پر جن میں عبرانی بھی شامل تھی، فتح کامل حاصل کر لی، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی قوم (یہودیوں) کی زبان بھی تھی اور آرامی زبان کا لغو صرف سامی حلقے تک محدود نہ رہا بلکہ طوائفِ اعظم (۵۲۱ تا ۵۲۲ قبل از مسیح) کے ماتحت آرامی زبان حکومتِ ایران کے صوبوں کے درمیان روابط کا ذریعہ بن گئی تھی، اس طرح سکندر کی آمد تک یہ زبان ہندوستان و حبشہ کے درمیانی علاقہ کی ایسی بولی بن گئی جو ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ شمالی عرب کے باشندوں نے بھی اپنی ابجدِ آرامی ہی سے لی تھی، اسی طرح آرمینیوں، ایماٹیوں، اور ہندوستانیوں نے آرامی سرچشمے ہی سے فائدہ اٹھا کر اپنی ابجدیں ایجاد کیں، پہلوی (فارسی) اور سنسکرت دونوں زبانوں کے حروف اصلاً آرامی ہیں،... اسرائیلی جلاوطنوں میں سے جو لوگ خوشحال تھے انہوں نے مملکتِ ایران میں ٹھہرے رہنے کو ترجیح دی اور اس کی تصدیق یوں ہوتی ہے کہ اس عہد کی کادباری دستاویزوں میں بہت سے عبرانی نام ملتے ہیں (تاریخ شام)

اس سلسلہ میں مذکورہ مصنف تاریخ لبنان میں لکھتا ہے:-

”ایرانی سلطنت کی بنیاد سائرس نے رکھی تھی، اس کے بیٹے کیم کی سس، (کبوجہ یا کبباد) اور بڑا دروازے دار نے سلطنت کو اتنا وسیع کر دیا کہ ہندوکش اور دریائے سندھ کے پار سے بکیر، ابلج، اعلیٰ دریائے سندھ تک اور قفقاز سے بحر ہند تک پھیل گئی، تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ وسیع علاقہ ایک مرکزی سیاسی نظام کے تابع آیا اور یہ نہایت حکم نظام تھا، سلطنت کے دورِ افتادہ حصے سرکول کے نئے نظام نے ملا دیئے اور شاہی قاصدوں کے لیے جا بجا قیام گاہیں بنی ہوئی تھیں تمام مقامات میں ایک سکہ رائج ہو گیا، آرامی زبان اتنی پھیل گئی کہ پوری سلطنت کی عام زبان بن گئی۔... اس عہد کی دو بڑی تہذیبوں سامی اور



ہندی و ایرانی کو امتزاج نہیں تو ایک دوسری پر اثر و انتشار کا موقع ضرور مل گیا۔  
(تاریخ لبنان، فلپ کے تحت)

**حرف آخر:** بیت المقدس پر اشوریوں اور ان کے بعد بخت نصر کے قبضے اور شام میں تباہی و بربادی کے بعد بنی اسرائیل دنیا میں ہر طرف ہجرت کر کے چلے گئے تھے یا انہیں جلا وطن کر دیا گیا تھا بنی اسرائیل کے سینکڑوں خاندان وہ تھے جو شمال مغرب کی طرف جانے کے بجائے جنوب مشرقی ایشیا کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے یا انہیں جلا وطن کر دیا گیا۔ یہ قبائل بھی گردشِ یل و نہار سے محفوظ نہ رہے، ان کی زندگی مختلف نشیب و فراز سے گزری، البتہ انہوں نے اپنی مذہبی روایات کو ہمیشہ اپنے سینے سے لگا کر رکھا۔ سیاسی قوت و اقتدار بھی حاصل کیا غربت و مسکنت کی زندگی بھی گزاری اور زندگی کے زوال اور ناکامیوں کا مزہ بھی چکھا تھا آئندہ اسلام کے ظہور کے بعد ان میں ایک نئی زندگی کے آثار نمایاں ہونا شروع ہوئے اور نشاۃ ثانیہ کے دور میں قدم رکھا، افغانستان، پاکستان، ہندوستان وغیرہ میں جو افغان موجود ہیں یہ دراصل انہی جلا وطن یا ہجور بنی اسرائیل خاندانوں کے باقیات ہیں، اور اسلام کے شرف و برکت کی وجہ سے تو انہیں باقیات و صالحات کہنا چاہیے۔

دنیا کے شمال و جنوب اور مشرق و مغرب میں بنی اسرائیل کے یہ مختلف خاندان اور گروہ جس طرح پھیلے اور جس طرح وہ اللہ کی فائز مشوں کے حق و حق پر یا آزمائشوں کے مختلف ادوار ان کی زندگی میں آئے جس طرح وہ اپنی قومی زندگی میں امن و آسائش اور اجتماع آزمائش کے مختلف ادوار سے گزر چکے اسی طرح ان میں ایک وقت میں بھی اچھے اور بُرے اور عالم و جاہل ہر طرح کے لوگ موجود رہے۔ قرآن حکیم کی ایک آیت میں ان کی قومی زندگی کے اس انداز کی طرف بڑا دلچسپ اشارہ موجود ہے۔

وَقَطَعْنَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا مُّتَفَرِّقَاتٍ  
الْقُلُوبُ وَهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ  
وَبَدَّلْنَاهُمْ بِالْحُسْنِ وَالسَّيِّئَاتِ  
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝  
(سورہ اعراف، آیت ۱۶۸)

اور ہم نے انہیں الگ الگ گروہ کر کے زمین میں متفرق کر دیا کچھ ان میں نیک تھے کچھ اس کے خلاف (یعنی بد) اور ہم نے انہیں اچھی اور بُری دونوں طرح کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا تاکہ (بد عملیوں سے) باز آجائیں۔

قرآن حکیم کی اس آیت میں بنی اسرائیل کی قومی زندگی کے جن خصائص یعنی دنیا کے مختلف ملکوں اور خطوں میں ان کے پھیلاؤ، جماعتی زندگی کے ادوار و انتشار اور قبضہ و اقتدار، نیکی و سعادت اور بے عملی و شقاوت، علم و فضل اور جہل و نادانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ پختون خوا کی زندگی میں آج بھی چشمِ حقیقت ہیں۔ دیکھے جاسکتے ہیں۔

اس کے باوجود کہ اس سے پٹھانوں کی زندگی کی بعض خامیاں تاریخ کی روشنی میں آتی ہیں لیکن ان کی نسلی تاریخ کی یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ پختون خوا بنی اسرائیل کی اس جماعت کی مذہبی و اخلاقی روایات کے وارث ہیں جس کو قرآن نے "الصلحون" کے لقب سے یاد کیا ہے۔ اگرچہ ہمارے عقیدے کے مطابق تاریخِ عالم "دون ذلک" کی مثال سے بھی خالی نہیں لیکن ہم یہاں اپنے صرف اس اخصاص کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ جس طرح ہمارے قدیم اسلاف کو اللہ تعالیٰ نے شریعت موسوی اور ہدایت عیسوی کی مشکلوں میں اپنی ہدایت پر عمل کی توفیق بخشی تھی بنی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد ہمارے بزرگوں کو اور ہمیں دین اسلام کی سعادت سے نوازا اور شریعت محمدی کی پیروی کی توفیق بخشی۔ والحمد للہ علی ذلک

روشن خان

موضع نوال کلی، تحصیل صوابی، ضلع مردان  
پشاور (پاکستان)



## تذکرہ ایک ادیب اور صحافی کی نظر میں

خان روشن خان نے پٹانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ کے موضوع پر تذکرہ کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی جس کا پلا ایڈیشن شائع ہوتے ہی پٹانوں کا تعلق کیا اور اب اس کا دوسرا ایڈیشن ہمارے سامنے ہے خان صاحب نے اس ایڈیشن میں کئی پیش بہا اضافے کیے ہیں اور نہایت تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کا خاندان کی ایک بزرگ خاتون حضرت گورنل کرم علی شاہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں شمولیت کی سہارا اور تمام رٹے زمین کے مسلمانوں اور توحید پرستوں کی ماں بننے کا شرف حاصل ہے۔ دوسرا ہم اضافہ گندھارا میں رہنے والے اس کے قدیم آثار ہے۔ اس سے علوم ہوتا ہے کہ ان خاندان کی تاریخ کتنی قدیم اور بے گمانیز رہی ہے۔

تذکرہ میں خان صاحب نے پٹانوں کی اصلیت پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ یہ اس کتاب کا خاص موضوع ہے خان صاحب کا تعلق محققین کے اس گروہ سے ہے جو پٹانوں کو بنی اسرائیل قرار دیتے ہیں۔ اپنے اس دعوے کو انہوں نے پٹان اور غیر پٹان، قدیم اور جدید دونوں تذکرہ نگاروں اور سوانح نویسوں اور محققوں کے بیانات سے تاریخ و آثار کے حوالوں سے اور بنی اسرائیل اور پٹانوں کے رسوم و رواج، عادات و اطوار، شکل و شمائل کے تقابلی جائزے سے اور عبرانی و اکادمی اور پشتو زبانوں کے موازنے اور ہمہ قسم کے قوی دلائل سے ثابت کر دیا ہے۔

خان روشن خان کی تصنیف (تذکرہ) تصویروں اور نقشوں سے مزین ہے۔ اس سے اس کی افادیت اور بڑھ گئی ہے۔ اس کی کتابت و طباعت سے ان کے اعلیٰ ذوق اور سلیقے کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کی اس علمی و تحقیقی کاوش کو ہر کتب فکر کے دانشوروں نے سراہا ہے اور اہل علم و اصحابِ قلم نے تذکرہ کے تحقیقی میسار اور درجہ استناد کا اعتراف کیا ہے۔

محمد شفیع صابر  
ایڈیٹر شریعتی سہیل

۲۹ مئی ۱۹۸۱ء کی اشاعت ہفت روزہ ترجمان سرحد اور میں ایک مفصل اور دلنشین تبصرہ تذکرہ پٹانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ پر شائع ہوا تھا، یہ مضمون اس کا مخلص ہے۔



وزارت خدمت - ایک خط  
No. 2883 JEmj

MINISTER FOR EDUCATION  
Government of Pakistan  
Islamabad

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پورخہ ۲۱ جولائی ۱۹۸۰ء

محترم روشن خان صاحب

السلام علیکم -

اس سے قبل میں نے آپ کو "تذکرہ" کے بارے میں ایک خط لکھا تھا۔ اس وقت میں نے کتاب کو نہیں پڑھا تھا۔ پڑھنے کے بعد میں آپ کو آپکی کاوشوں پر مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے پختونوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ کے بارے میں بے انشہا تحقیق کی ہے۔ اور اس ضمن میں کافی گتھیں کو سلجھایا ہے۔

یہ چند چیزیں جو میں آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں سرسری ورق گردانی کا نتیجہ ہیں۔ انشاء اللہ جب کسی وقت ملاقات ہو گی تو بہت سی چیزیں پر بحث کرنی مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس بارے میں مزید لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امید ہے کہ آپ صبح اہل و عیال بخیر و عافیت ہوں گے۔

فطرت والی سلام

آپ کا مخلص

محمد علی خان

(محمد علی خان)

جناب خان روشن خان صاحب  
نکوی کلی  
تحصیل سواہی  
ضلع سرحدان



# تذکرہ ایک عالم اور محقق کی نظر میں

پشتون قوم کی یہ بڑی خوش نصیبی ہے کہ اسے خان روشن خانی جیسا عالِمِ تاریخ، روشن خیال اور صاحبِ ایثار خدام بہتر آیا جس نے اپنے بہترین اوقات اور اعلیٰ ذہنی و فکری صلاحیتوں کو پشتونوں کی تاریخ کے مطالعہ و تحقیق کے لیے وقف کیا اور صرف ذکرِ کثیر سے پشتونوں کی تاریخ کے موضوع پر پشتون اور اردو زبان میں کئی تصانیف اور ان کے متعدد ایڈیشن شائع کر کے ایک قابلِ تقلید اور اُنوکھ صدِ تیسرے مثال قائم کی۔ خان صاحب نے انسانوں کے قبائل اور ان کے خاندانوں کی تاریخ کی تحقیق و اشاعت میں جو سرگرمی دکھائی ہے اور بڑے کامیابیوں کیلئے کیا ہے اور شہرہ کی تحقیق و تذاریح نقشوں کی ترتیب و تدوین میں جس جانفشانی کا ثبوت دیا ہے اس کی مثال ہمارے ملک میں تو کچھ امتری ترقی یافتہ ملک میں بھی شاید ملے گی۔

روشن خانی صاحب ایک شوقین طالبِ علم اور سچے محقق کی طرح اپنے موضوع پر مواد کے حصول کے لیے ہر وقت بے چین اور متحرک رہتے ہیں اور کچھ اپنے مطالعہ و تحقیق کے نتائج کو حسنِ ترتیب کے ساتھ ذکرِ کثیر خرچ کر کے تاریخ کے طلبہ کے لیے پیش کرتے ہیں۔ تو اس کا حافظہ رحمتِ خالیٰ کو پشتو ایڈیشن، پھر اس کے رولر و ایڈیشن جو تحقیقی و تدوین کی ایک مثال ہیں اس کے بعد تذکرہ کی اشاعت اب اس کا دوسرا اضافہ شدہ ایڈیشن خان صاحب موصوف کے ذوقِ علم و تحقیق، اخلاص، قوم اور اپنا وقت و مال کی لائق تحسین مثال ہیں۔

خان صاحب نے عبرانی و آرامی اور پشتو زبان کے تعلق سے علمِ سائنات کے جن مباحث اور تاریخ کے جن اہم نکات کی طرف اشارات کیے ہیں اور روشنی ڈالی ہے، ضرورت ہے کہ ان میں سے ایک ایک موضوع پر الگ الگ تحقیق کا جائزہ لیا جائے۔ توقع ہے کہ پشتو زبان ادب اور انسانوں کی تاریخ کا ذوق رکھنے والے اسکالر ان موضوعات پر توجہ فرمائیں گے۔ روشن خانی صاحب نے پشتونوں کی تاریخ اور ادبیات کی تحقیق کے لیے دنیا رکھ دی ہے، البتہ یہاں سے دوسرے اسکالر کا کام ہے کہ وہ اس پر تنقیدی نظر بھی ڈالیں اور خان صاحب کی تقلید کرتے ہوئے وقتی اور شخصی اغراض اور لوٹ و لاپس سے بے نیاز ہو کر کامل خصوصاً علمی و تاریخی ذوق و اخلاص سے قوم کے کچھ حذب کے ساتھ ان بنیادوں پر علم و تحقیق کی عظیم الشان اور فکری عمارت تعمیر کریں اور اپنی مثال آپ بن کر دوسرے کیلئے راہِ ہدایت بنائیں۔

مجھے امید ہے کہ جناب روشن خانی کی تالیف تذکرہ کی دوسری اشاعت جس میں کئی قیمتی مضامین مفید ہوں اور نہایت اہم تصویروں کا اضافہ ہوا ہے علمی حلقوں میں تحسین کی نظروں سے دیکھی جائے گی۔

(مولانا)

مستطاب ڈاکٹر مگروری اور دیوانہ پشاور

یہ مولانا فضل جود صاحب نے تذکرہ کی پہلی اشاعت پر اپنا ممبرانہ پیشکش کی تھی۔ مولانا صاحب نے مولانا صاحب کی اس کتاب کو دوسرا ایڈیشن دیا ہے اور اس میں کئی نئی تصاویر، تصاویر اور کئی نئے مضامین شامل ہیں۔ مولانا صاحب کی اس کتاب کو دوسرا ایڈیشن دیا ہے۔



# تذکرہ

(پٹھانوں کی اصلیت اُن کی تاریخ)

تواریخ حافظ رحمت خانی کی ترتیب پر مرتبہ سوانحی کے بعد پٹھانوں کی تاریخ پر

خان روشن خان کی ایک اہم تصنیف

اقوام عالم میں پٹھانوں کی تاریخ سے زیادہ شاندار رہی ہے۔ پٹھانوں کا تعلق حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل (بنی اسرائیل) سے ہے جس میں سب سے زیادہ تاریخ ساز مسلمانین ملوک اور العزم فاتح اور سپہ سالار بنے۔ ان کے علاوہ سرفراز کاہنوں و شائخ افاضل علماء و فقہاء اور جلیل القدر علما میں مقام نبوت گزرنے میں کچھ اضافی کا بیشتر حصہ سے زیادہ طویل زمانے تک شجائے قوم کے زیر نگین رہا ہے لیکن تاریخ کے سب سے زیادہ اور بڑے مظالم بھی میدان جنگ کے قتل و غارتگری اور جلا وطنی کے حادثات عظیمہ کے بعد پٹھانوں کی تاریخ پر ردوار رکھے گئے ہیں۔

## تذکرہ میں

پٹھانوں کے خاندانوں ان کے اکابر ان کی تاریخ اور ان کی اصل و نسل کے بارے میں تاریخ کی غلط بیانیوں اور غلط فہمیوں کا پہلی مرتبہ علمی و تحقیقی انداز میں سپہ چاک فرمایا گیا ہے اس کا مقدمہ

مشہور اور محقق ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری نے لکھا ہے اہم تاریخی و تحقیقی اضافوں اور تصحیح کے بعد چوتھا ایڈیشن اعلیٰ درجے کا آفسے بیس، بہترین کتاب کے طور پر جلد ۲۲۸ صفحے قیمت ۲۶ روپے

لے کا پتہ

روشن خان اینڈ کمپنی، تبا کوٹہ، پھول چوک، غازی پور، اتر پردیش